یکے از مطبوعات: پاکستان مزدور محاذ

ماہنامہ

منشور

کراچی

جلد نمبر1 شمارہ نمبر2 جون 2023ء

چیف ایڈیٹر: کامران عباس

جون 2023ء

پاکستان کے ترقی پسند دانشور، مفکر
اور برطانیہ میں مقیم سیاست دان
علی جعفری زیدی
کی خودنوشت سوانح حیات

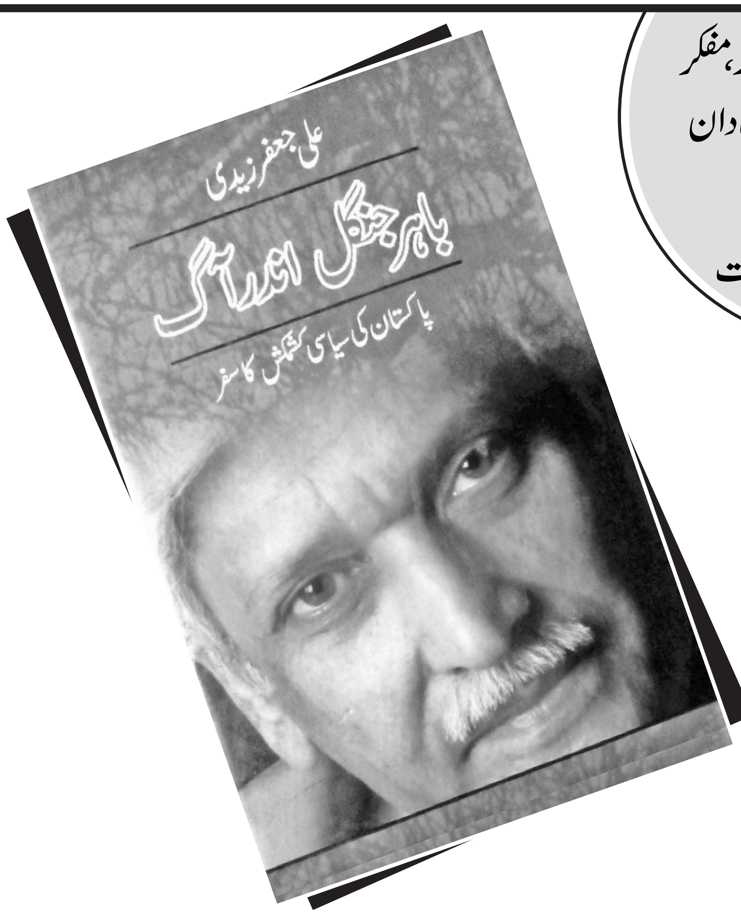

ادارہ مطالعہ تاریخ
66-H/12
واپڈا ٹاؤن، لاہور
+92 302 5552260
+92 302 5552261
+92 302 5552262

"باہر جنگل، اندر آگ"

شائع ہوگئی ہے

دوسرا ایڈیشن
صفحات: 712
قیمت 1200 روپے

(کامریڈز کے لئے خصوصی رعائت)

- سامراجیت، استحصالی نظام، ملائیت، اور دہشت گردی کے خلاف یہ فرد واحد کی داستان نہیں بلکہ پاکستان کے مظلوم ومحکوم عوام کی وہ تاریخ ہے جو مصلحت پسندی کے پردوں میں چھپی رہی۔
- ایک عہد نہیں بلکہ کئی زمانوں پر محیط یہ تاریخ ایک نشان منزل ہے۔
- یہ صبح امید کی وہ کرن ہے جو عزت نفس کے ساتھ زندہ رہنے اور سر اٹھا کر چلنے کا شعور اور حوصلہ مہیا کرتی ہے، اجتماعی خودکشی سے بچنا ہے تو اس کو پڑھنا ہوگا۔

یکے از بانیان: منشور و پاکستان مزدور محاذ طفیل عباس، اظہر عباس، ذکی عباس

یکے از مطبوعات: پاکستان مزدور محاذ

ماہنامہ

منشور

کراچی

جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 2 جون 2023ء

ہم صبح پرستوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہاتھوں میں قلم رکھنا یا ہاتھ قلم رکھنا

خالد علیگ

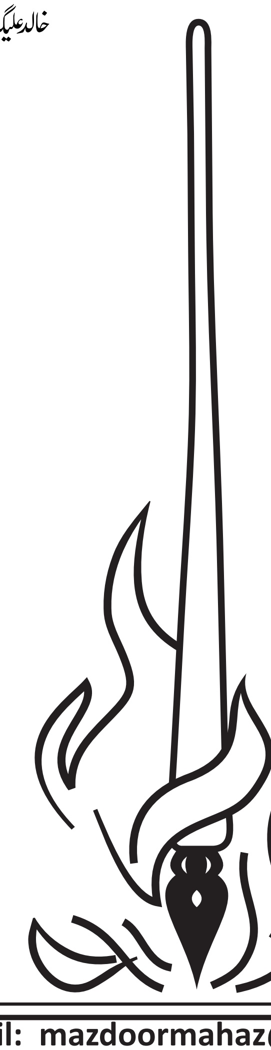

E-mail: mazdoormahaz@gmail.com

مجلس مشاورت: ڈاکٹر علی امین، سجاد حسین، ڈاکٹر مصدق حسین الیاس اسد علی ناصر

سرپرست اعلیٰ: زاہدہ حنا

- چیف ایڈیٹر: کامران عباس
- ایڈیٹر انٹرنیشنل: علی جعفر زیدی
- ایڈیٹر: شوکت علی چوہدری
- مینیجنگ ایڈیٹر: حسین نوید
- سب ایڈیٹر: بیگم شمیم چوہدری
- مشیر قانون: اشتیاق چوہدری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان
- ناشر: کامران عباس

رابطہ دفاتر

برطانیہ
علی جعفر زیدی
ali@zaidi.org.U.K.
0044 7960758059

کراچی
ہاؤس نمبر 6۔ مختار سنٹر۔ سیکنڈ فلور۔
بلاک نمبر B/13 یونیورسٹی روڈ کراچی

لاہور
منیر انصاری
مکان نمبر 4 ملک پارک نزد ریلوے کرسنگ
نیا پل مغلپورہ لاہور 03224602046

اسلام آباد
علی ناصر
مکان نمبر 3 گلی نمبر 2 اتحاد ٹاؤن ٹھنڈا پانی نیلور
بلمقابل رائل سٹی اسلام آباد 0341-5425364

چنیوٹ
ڈاکٹر علی امین
عزیز علی اسپتال۔ مین عزیز علی روڈ۔ چنیوٹ
فون نمبر 5332648 موبائل: 0333-6702186

فیصل آباد
ایان نوید
مکان نمبر 1 گلی نمبر 19 عبداللہ پور فیصل آباد
موبائل: 0335-8311027

خرم پرنٹنگ پریس
گوبند گا یہ بلڈنگ۔ باٹا والی گلی۔ پاک چوک۔ کراچی

قیمت 100 روپے

برائے خط و کتابت: مکان نمبر E-171/6P گلی نمبر 5 قادری کالونی والٹن۔ لاہور کینٹ 0333-4053162 | مکان نمبر 1 گلی نمبر 19 عبداللہ پور فیصل آباد موبائل: 0300-6602548

اس ماہنامہ منشور میں

نامہ بر
عمران وحید چوہدری، احمد دین بھٹی 3

اداریہ
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے۔
شوکت علی چوہدری 4

اے وطن
اکیسوی صدی میں بائیں بازو کا وجود اور سیاست۔
علی جعفر زیدی 5

صبح کی لگن
زاہدہ حنا 9

انکم ٹیکس قانون کو سادہ ہونا چاہیئے۔
حذیمہ بخاری، ڈاکٹر اکرام الحق 11

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔
کامران عباس 13

مضامین
پاکستان کا ماضی اور حال۔
بیگم شمیم چوہدری 14

پاکستان میں قومی سوال ایک مارکسی نقطہ نظر۔
ڈاکٹر مصدق حسین 16

سہ افریقی کانفرنس پاکستان میزبان۔
یوسف انور 20

صحرا بہ صحرا
جاوید اختر اور بارڈر کے دونوں جانب کے اشرافیہ۔
عاصم جان وردگ 21

ہائی گیٹ قبرستان کا سب سے مقبول باسی۔
ناصر منصور 23

انتخاب شاعری
صفیہ حیات، راحت سرحدی، جاوید کامل آذر 24

خصوصی مطالعہ
نظم۔ریاکاری، شاعر۔حسین نوید،
تبصرہ۔ الیاس اسد 25

بزم کامران
انٹرویو۔جنید اعوان ریلوے ورکر یونین اوپن لائین 26

خبر نامہ
پاکستان مزدور محاذ، بزم منشور متحدہ لیبر فیڈریشن، انجمن ترقی پسند مصنفین 28
آل پاکستان واپڈا ہاڈو ورکر یونین، دادا میر حیدر کمیٹی،
ریلوے ورکر یونین اوپن لائین، نیشنل بنک، سوئی گیس،
PIA، سیبول ایشن، مزدور بحالی کمیٹی، PWF
لاہور، راولپنڈی، کراچی، کوئٹہ، پشاور، چنیوٹ، فیصل آباد، یوم مئی کی ریلیاں

کسی تحریر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

A Publication of: PAKISTAN MAZDOOR MAHAZ

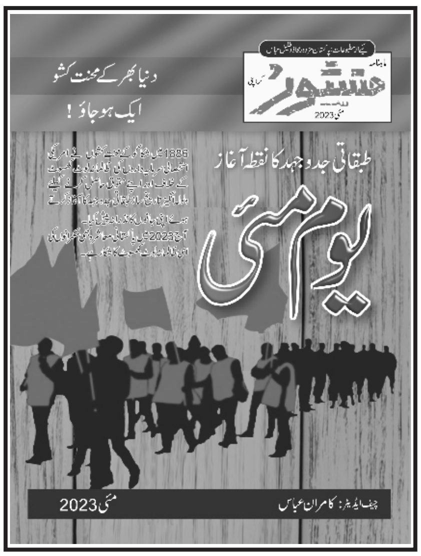

نامہ بر
ان سے کہو اپنی زبانی کہیں

منشور سے متعلق آپ کی دوٹوک بے لاگ اور فوری رائے کی ہمیں انتہائی ضرورت ہے مگر کیا ہی اچھا ہو کہ یہ مختصر بھی ہو (ادارہ)

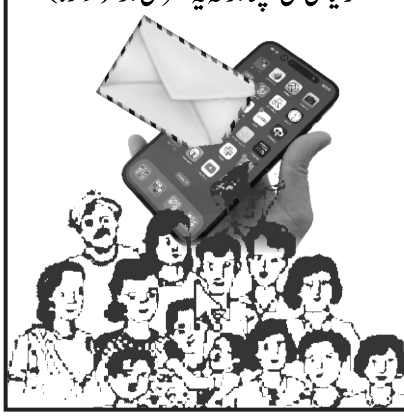

عمران وحید چوہدری

مکرمی جناب ایڈیٹر ماہنامہ منشور اسلام وعلیکم

سب سے پہلے تو ماہنامہ منشور کے اجرا کی مبارک قبول کریں۔ یوم مئی کے حوالے سے متاثر کن ٹائٹل ہے جو یوم مئی کی پوری تاریخی حیثیت کو بیان کر رہا ہے۔ رہی بات دیگر مضامین کی تو اداریہ سے لے کر آخری صفحہ تک تمام ہی مضامین متاثر کرنے والے ہیں۔ طفیل عباس جن کی تحریروں نے کئی عشروں تک محنت کشوں اور لکھاریوں سمیت منشور پڑھنے والوں کے فکری شعور کو جلا بخشی ان کی تحریروں کو چھاپنے کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے تاکہ آج کی نسل بھی ان زندہ تحریروں سے استفادہ کر سکے۔ اظہر عباس مرحوم اور بھگت سنگھ سمیت یکم مئی پر مضامین اپنی آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔ امید ہے ماہنامہ منشور اپنی سابقہ روایات کو نبھاتے ہوئے فکر نو کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنا تاریخی سفر جاری رکھے گا۔ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ طفیل عباس۔ ذکی عباس۔ شفیق احمد۔ اظہر عباس ۔قاضی احمد نعیم قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اور پروفیسر ریاض صدیقی جیسے حضرات نے اپنے پیچھے جو اثاثہ چھوڑا ہے وہ فخر کرنے کے قابل ہے کہ علی جعفر زیدی۔ کامران عباس۔ بیگم شمیم چوہدری اور حسین نوید نے اپنے استادوں کے لگائے ہوئے فکری پودے کو اپنے خون جگر سے سینچنے کے مشکل سفر کا پروقار آغاز کیا ہے۔ میرا یقین کامل ہے کہ ماضی کی طرح اب یہ قافلہ بڑھتا ہی جائے گا اور اس گل دستہ کی خوشبو ہر سو پھیلے گی۔

مکان نمبر F/416 نیو کٹاریاں
سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

احمد دین بھٹی

محترم جناب ایڈیٹر ماہنامہ منشور

آداب ------

جنوری 2020 کے بعد مئی 2023 میں دوبارہ منشور کا شمارہ ملا جسے دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا ہے دوستوں سے معلوم ہوا کہ منشور کا دوبارہ سے اجراء ہو رہا ہے اور یہ اس سلسلہ کا پہلا شمارہ ہے میں آپ اور آپ کی ٹیم کو منشور کی حیات نو کے اس مبارک اور تاریخی موقع پر بہت بہت مبارک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ آپ کا یہ سفر بھی بے شمار کامیابی سمیٹے اور آپ کی ٹیم منشور کی سابقہ روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے منشور کے ادبی وسیاسی ونظریاتی معیار کو برقرار رکھے اور پہلے سے زیادہ محنت کے ساتھ اس کی اشاعت کرتی رہے تاکہ پاکستان کی مزدور تحریک کی نظریاتی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری جو ایک لمبے عرصے تک جناب طفیل عباس جناب ذکی عباس جناب اظہر عباس اور جناب قاضی نعیم قریشی نبھاتے رہے ہیں اب ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ ساتھی، جناب شوکت علی چوہدری کی قیادت میں ماہنامہ منشور اور پاکستان مزدور محاذ کی صورت اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کے محنت کش طبقے کے لیے آپنا نظریاتی کردار ادا کریں، خوبصورت ٹائٹل کے بیگ پیج پر طفیل عباس صاحب کی تحریر کی آخری لائن جو سرخ رنگ کی روشنائی سے روشن ہے کہ "اب آپ ہیں اور منشور ہے سو ہم سے زیادہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا کیا فرض ہے" کو پڑھتے ہوئے میں عہد کرتا ہوں کے آپ کے اس مشن میں فیصل آباد کے تمام ساتھی آپ کے ساتھ کھڑے ہیں اور کھڑے رہے گے۔

فقط آپ کا ساتھی
احمد دین بھٹی

6X-D مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

معروف شاعر ودانشور ناصر علی کا خوبصورت ادبی وتاریخی مضمون

"ہندی فارسی، ہندی عربی اضاعت اور وقت کا تقاضا"

آپ قارئین کے لئے جولائی 2023 کے شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

پاکستان پچھلے چند سالوں سے اندرونی اور بیرونی، دونوں طرح کے دباؤ کا شکار ہے۔ اس دباؤ کی وجہ سے نہ تو پاکستانی معیشت اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکی اور نہ ہی ملک کی مجموعی سیاسی اور امن وامان کی صورت حال میں کوئی بہتری آئی۔ جس جمہوریت کو پاکستان میں اس ملک کی مقتدرہ قوتوں نے پروان چڑھانے کی کوشش کی وہ جمہوریت بھی بار بار منہ کے بل گرتی رہی، اس کی دیگر وجوہات میں اہم ترین وجہ جمہوری روایات و جمہوری تاریخ سے روگردانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جدید دور کی سرمایہ دارانہ طرز معیشت وسیاست کے بطن سے پیدا ہونے والی جمہوریت کو پاکستان میں فرسودہ جاگیردارانہ اور قبائل سرداروں کے ساتھ دقیانوسی خیالات کے ان افراد وگروہوں کے ذریعے پروان چڑھانے کی کوشش کی گئی جن کو نہ تو دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی ومعاشی منظر نامہ سے کوئی غرض تھی اور نہ ہے اور نہ ہی یہاں ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جو بدلتے ہوئے بین الاقوامی حالات کا تجزیہ کر کے 24 کروڑ عوام کے اس وسیع وعریض ملک کو صحیح سمت پر ڈالنے میں اپنا کردار ادا کر سکتا۔ بہت پہلے ''برنارڈ شا'' نے کہا تھا۔

''ہم نے سمندر میں مچھلیوں کی طرح تیرنا اور فضا میں پرندوں کی طرح اُڑنا سیکھ لیا ہے مگر زمین پر انسانوں کی طرح رہنا نہیں سیکھا''۔ 100 سال قبل ''برنارڈ شا'' کے کہے ہوئے یہ الفاظ پاکستانی معاشرے پر پوری طرح لاگو ہوتے ہیں کہ پاکستان کے برسر اقتدار طبقات نے اس دھرتی کو جس طرح اپنے مفادات میں استعمال کیا اور یہ سوچے سمجھے بغیر استعمال کیا کہ سماج کے ارتقاء کے نتیجہ میں دنیا بھر میں جو سیاسی اور معاشی تبدیلیاں رونما ہوں گئیں ان کے اثرات سے ہم کیسے نپٹ پائیں گے۔ یہ انہی کے رویوں کا نتیجہ ہے کہ آج وطن عزیز ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے کہ نہ تو اس کی معیشت سنبھل رہی ہے اور نہ ہی سیاست۔ اگر ملک کے معاشی منظر پر نظر ڈالی جائے تو سسکتی ہوئی معیشت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور سیاسی منظر کا جائزہ لیا جائے تو آج کے برسر اقتدار اور مرحوم اقتدار سب کے سب گروہ کبھی غدار قرار پائے اور کبھی محبت وطن۔ 9 مئی کو ملک میں جو کچھ ہوا۔ اس نے ہماری سیاست، معیشت اور منصوبہ سازی کی تمام کمزوریوں کو طشت از بام کر دیا ہے۔ وہ جن پر کل تک وطن دشمنی اور کرپشن اور ملکی مفادات کو نقصان پہنچانے کے الزامات تھے وہ چند ماہ قبل تک کے ملک کے سیاہ سفید کے مالک، قومی خزانے کے رکھوالے اور ملک کی معاشی و سیاسی و خارجی پالیسیوں پر دسترس رکھنے والوں کے اُوپر ہر وہ الزام لگا رہے ہیں جن کا تصور بھی کسی مہذب ملک میں محال ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ سب کیا ہے؟

کیا ان حالات میں جب کہ دنیا بھر میں نئی صف بندیاں ہو رہی ہیں اور کہیں معیشت G.7، کہیں G.20، کہیں بحرالکاہل سے پیوستہ ممالک Quad اور کہیں ایشیائی ممالک Asean کے نام سے اپنی اپنی صفیں سیدھی کر رہے ہیں۔ وسطی ایشیا اور رُوس کے 5 ممالک نے Eurasian Economic Union کے نام سے تنظیم بنا رکھی ہے، پاکستان شنگائی تنظیم کا رکن ہے اور یہ اس ریجن کا اہم اتحاد ہے اور یہ واحد اتحاد ہے جس میں پاکستانی حکمرانوں نے اپنی دلچسپی دکھائی ہے، سعودی عرب اور ایران اپنے تعلقات کو بہتر کرنے میں مصروف ہیں۔ وطن عزیز میں آج سب سے زیادہ بحث اس موضوع پر ہو رہی ہے کہ پاکستان، امریکہ اور چین کے درمیان بڑھتے ہوئے معاشی ٹکراؤ کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہے کہ ایک طرف پاکستان چین کے ''سی پیک'' منصوبے کو کاشغر سے گوادر تک لے جانے میں چین کے ساتھ کھڑا ہے جب کہ دوسری طرف امریکہ اور اس کے حواری، جو پچھلے 75 سالوں سے پاکستان کے تمام تر معاملات میں پوری طرح داخل رہے ہیں اس انہوں بہت ہی معمولی قیمت'' پر اپنی تاریخ کے سب سے زیادہ فوائد اُٹھائے ہیں وہ پاکستان کو کسی صورت چین کے کیمپ میں مکمل طور پر داخل ہونے کی اجازت دینے کو تیار نہیں کہ اس طرح بتدریج اس پورے خطہ سے امریکی اثر ورسوخ اگر ختم نہ بھی ہوا تو کمزور ضرور ہو جائے گا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان حالات میں جب دنیا بھر میں ''تقسیم نو'' کی ہوا چل رہی ہے اور سعودی عرب جیسا ملک بھی بہت سے معاملات میں اپنی خود مختاری دکھانے میں مصروف ہے پاکستان کے پالیسی ساز ادارے بھی ملک کی سیاسی قوتوں، دانشوروں، مزدور رہنماؤں، صاحب رائے حضرات اور اس ملک کے ماضی حال اور مستقبل پر نظر رکھنے والوں سے مشاورت کا آغاز کرتے۔ ان کی دانش وبصیرت سے فائدہ اُٹھاتے۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہے ہماری ناقص عقل کے مطابق ملک کے پالیسی ساز اداروں کو پیارے پاکستان کو ان تمام بحرانوں سے نکالنے اور 25 کروڑ عوام کو سکھ چین اور امن کا ماحول فراہم کرنے کے لئے وسیع تر ''مشاورت'' کے عمل کا آغاز کرنا چاہیے اور ملک میں بڑھتے ہوئے سیاسی درجہ حرارت کو کم کرنے کی طرف توجہ دینا چاہیے۔

شوکت چوہدری

اکیسویں صدی میں بائیں بازو کا وجود اور سیاست

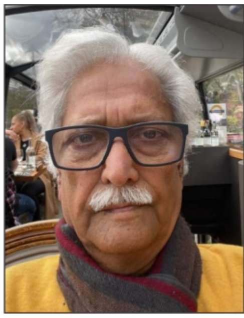

علی جعفر زیدی

اکیسویں صدی میں بائیں بازو کے وجود اور تحریکوں کی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ بیسویں صدی کو سامنے رکھا جائے جس میں دنیا نے بائیں بازو اور سوشلزم کو ایک طاقت کے طور پر اُبھرتے اور بادشاہوں اور سلطنتوں کا خاتمہ ہوتے دیکھا۔ پہلی بار دنیا میں پرولتاریہ کا راج قائم ہوا، قومی آزادی کی تحریکوں کے نتیجے میں ملک آزاد ہوئے، سوشلسٹ حکومتیں قائم ہوئیں اور ان سب تاریخی کامیابیوں میں بائیں بازو اور سوشلسٹوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ پھر اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوتے سوویت یونین کے ٹوٹنے کے نتیجے میں رُوس نواز بایاں بازو اور مغرب زدہ ترقی پسند مایوسی کا شکار ہو کر سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے کو سوشلزم کی ناکامی سمجھ کر ”لبرل“، ”نیولبرل“ اور سوشل ڈیموکریٹ بن گئے اس طرح اکیسویں صدی میں ان کی جدوجہد کے اہداف بھی بدل گئے اور ان کا کردار بھی۔ جبکہ پرانا روایتی مارکسٹ بایاں بازو اپنی جگہ پر قائم رہا اور آج تک اپنی سامراج مخالف اور سوشلزم کے قیام کی جدوجہد کرتا چلا آرہا ہے۔

سوویت یونین ٹوٹنے کے بعد جب دنیا Bi-Polcar world نہ رہی بلکہ uni-Polar world بن کر وقتی طور پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے قبضے میں چلی گئی تو عالمی سامراج نے بیسویں صدی کے سوشلسٹ نظریات اور ان کی اصطلاحات میں ابہام پیدا کرنے کے لئے متبادل اصطلاحات متعارف کروائیں۔ بایاں بازو، دایاں بازو، ترقی پسند، رجعت پسند، استحصالی واستحصال زدہ طبقات، عالمی سامراج، مظلوم ومحکوم اقوام جیسے تصورات و نظریات کی جگہ نئی اصطلاحات یا پہلے سے موجود عوامی جدوجہد اور سوشلسٹ نظریات مخالف اصطلاحات کی ترویج و تشریح شروع کردی گئی۔ لبرل ازم، نیولبرل ازم، سوشل ڈیموکریسی، کارپوریٹ کی اقتصادیات اور جھوٹ کی بنیاد پر مسلط کی جانے والی توسیع پسندانہ سامراجی جنگیں، گلوبلائزیشن، وار آن ٹیرر، نیو ورلڈ آرڈر وغیرہ وغیرہ، مگر مارکسزم، لینن ازم اور ماؤزے تنگ کے خیالات کی روشنی میں وضع کردہ تضادات جوں کے توں رہے، بلکہ ان میں شدت آئی۔ غریب اور امیر کے درمیان خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی یعنی طبقاتی تضاد میں شدت آئی۔ عالمی سامراج اور دیگر اقوام کے درمیان اور ان اقوام کے اپنے مابین تضادات میں اضافہ ہوا۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام نے کارپوریٹ کیپٹل ازم کی شکل اختیار کرکے دنیا بھر کے وسائل پر قبضہ کرنا شروع کردیا، دنیا کا امن برباد ہوگیا اور اکیسویں صدی کا بایاں بازو اور دانشور بنیادی تضادات سے ہٹ کر، ماحولیات، آلودگی، موسمیاتی تبدیلی، گھریلو تشدد، جنسیات، دہشت گردی، عورت آزادی مارچ جیسے موضوعات کی بحث میں اُلجھ گئے۔

اگرچہ یہ مسائل اپنی جگہ پر اہم ہیں مگر بنیادی مسائل نہیں ہیں۔ امیر وغریب کے درمیان طبقاتی تضاد، عالمی سامراج، کارپوریٹ، کیپٹل ازم اور دیگر اقوام اور عوام کے درمیان تضادات جیسے بنیادی تضادات کو حل کئے بغیر یہ مسائل کامیابی سے حل نہیں کیے جاسکتے۔ ترقی پذیر ممالک میں ان موضوعات کے مغربی مالی امداد کی بنیاد پہ این جی اوز کی دکانیں کھل گئیں اور عوام کو ان کے اپنے طبقاتی شعور کو الجھانے کے لیے بایاں بازو مصروف ہوگیا۔ استحصالی طبقات اور عالمی سامراج نے سمجھنا شروع کردیا کہ کم ازکم نظریاتی طور پر اب وہ محفوظ ہیں۔

چنانچہ ضروری ہے کہ تاریخی جدلیاتی علم (Dialectical and Historical Materialism) کی روشنی میں وہ علم جو عقیدہ نہیں بلکہ سائنس ہے بیسویں صدی اور اکیسویں صدی کے اہم تاریخی واقعات، ان کے عوامل ونتائج جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، ان کو اور بائیں بازو کے کردار کو وسعت و گہرائی کے ساتھ سمجھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ استحصالی طبقات اور عالمی سامراج کے کتنے ہاتھ پیر ہوتے ہیں کس طرح وہ اقوام عالم اور مظلوم طبقات کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہیں۔ بیسویں صدی میں ان کے ہتھکنڈے کیا تھے اور اکیسویں صدی کے جدید

ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا کے دور میں ان کے طریقہ واردات کیا ہیں۔تو آئیں پہلے بیسویں صدی کا جائزہ لیتے ہیں۔

یوں بھی فرد اور تاریخ کا تعلق بہت گہرا ہے ۔ ہارورڈ ژن لکھتے ہیں ۔''تاریخ کی بہت اہمیت ہے۔اگر آپ تاریخ سے لاعلم ہیں تو پھر ایسا ہے کہ آپ کل پیدا ہوئے تھے اور اگر آپ گزشتہ دن پیدا ہوئے تھے تو بالا دست آپ کو کچھ بھی سکھا سکتا ہے''۔

'' بائیں بازو اور دائیں بازو کی اصطلاحات نے 1789ء کے انقلاب فرانس کے دوران جنم لیا۔فرانسیسی پارلیمنٹ میں بادشاہ کے حامی دائیں جانب اور انقلاب کے حامی بائیں جانب بیٹھتے تھے۔بیسویں صدی کے شروع ہونے سے لے کر 1914ء کی عالمی جنگ تک یہ طے پا چکا تھا کہ دائیں بازو سے مراد بادشاہت ، فاشزم ، سامراجیت ،توسیع پسندی ، مذہبی قدامت پسندی اور ملائیت کی حمایت اور سوشلزم اور عوامی جمہوریت کی مخالفت ہے جبکہ بائیں بازو سے مراد مزدور کسان ، محنت کش عوام یعنی پرولتاریہ کی حاکمیت ،سوشلزم اور عوامی جمہوریت کی حمایت اور نوآبادیاتی نظام ، بادشاہت ،ملوکیت ، سامراجیت ،جاگیرداری ، سرمایہ داری یعنی بورژوازی کی آمریت کی مخالفت ہے۔

1917ء کے بالشویک انقلاب رُوس کے بعد جس کے نتیجے میں دنیا میں پہلی بار پرولتاریہ کی حکومت قائم ہوئی، بائیں بازو اور دائیں بازو کی نظریاتی اور سیاسی کشمکش بہت کھل کر سامنے آئی اور پہلی عالمی جنگ کے نتیجے میں جہاں چار سلطنتوں کا خاتمہ ہوا وہاں بائیں بازو کی تحریکوں ،تنظیموں ،مارکسزم ،لینن ازم نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔جگہ جگہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیاں قائم ہونے لگیں ، بایاں باز و مضبوط قدموں پر کھڑا ہو گیا اور عالمی سطح پر سوشلزم کی تعمیر ہونے لگی ۔ اب مارکسزم ،لینن ازم دنیا بھر کے مظلوم ومحکوم عوام کے لیے نشان منزل تھے۔

اکتوبر 1917ء کے انقلاب رُوس کے بعد لینن اور بالشویک کی دیگر قیادت کا خیال تھا کہ دنیا بھر کے محنت کشوں ،مزدوروں کسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ چنانچہ مارچ 1919ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل (Comintern) قائم ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ تمام ممکنہ وسائل وذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر بورژوازیوں اور حکومتوں کے خلاف جدوجہد بشمول مسلح جدوجہد کی جائے۔

کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ابھی چار کانگریسیں ہوئی تھیں کہ 1924ء میں لینن کا انتقال ہو گیا اور 1925ء میں سٹالن نے ''سوشلزم ایک ملک میں کی پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے سوویت یونین میں سوشلزم کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ دنیا کے حالات بہت تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے ۔ ہر ایک کمیونسٹ پارٹی اور بائیں بازو کو اپنے اپنے معروضی حالات کا سامنا تھا جو کہ ایک دوسرے سے مختلف تھے ۔1919ء میں کمیونسٹ انٹرنیشنل نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ ان حالات میں ممکن نہیں تھا چنانچہ Comintern کی آخری کانگریس 1935ء میں ہوئی اور اس تنظیم کو مئی 1943ء میں ختم کر دیا گیا ۔ بایاں بازو اور سوشلسٹ اس صورت حال سے پریشان ضرور ہوئے مگر ''سوشلزم ایک ملک میں یا پوری دنیا میں'' کے نظریے پر اپنی اختلافی بحث کو جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے نوآبادیاتی نظام اور سامراجی توسیع پسندی کے خلاف اور سوشلزم کے حق میں اپنی جدوجہد کو کمیونسٹ پارٹیوں کے اندر رہ کر یا باہر رہ کر جاری رکھا اور اپنا ترقی پسندانہ کردار ادا کرتے رہے۔

چین کی کمیونسٹ پارٹی جو 1921ء میں قائم ہوئی تھی وہ بھی کمیونسٹ انٹرنیشنل کا حصہ تھی اس وقت چین میں ایک بڑی قوم پرست پارٹی تھی جس کا نام چینی نیشنلسٹ پارٹی (کومن تانگ) تھا۔ اس کی بنیاد ڈالنے والوں میں ڈاکٹر سن یات سن تھے چینی کمیونسٹ پارٹی اور ڈاکٹر سن یات سن مل کر کام کرتے رہے اور جب 1925ء میں ڈاکٹر کا انتقال ہوا تو اس کے جانشین چیانگ کائی شک نے کمیونسٹوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا۔1923ء میں ماؤزے تنگ چینی کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ بن چکے تھے انہوں نے 1925ء سے لے کر 1949ء تک کی آخری فتح تک اندرون ملک کومنتانگ اور بیرون ملک سامراجی طاقتوں بالخصوص جاپان کے خلاف یعنی دو محاذوں پر نظریاتی اور مسلح جدوجہد کی۔ 1949ء میں چین دنیا کے نقشے پر عوامی جمہوریہ چین بن کر اُبھرا ۔ ایک عوامی سوشلسٹ ملک ، جو کہ مزدوروں ، کسانوں ، سوشلسٹوں اور بائیں بازو کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔

ادھر یورپ میں کئی برسوں سے جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے ۔ ہٹلر نے یکم ستمبر 1939ء کو پولینڈ پر حملہ کر کے دوسری عالمی جنگ کا آغاز کر دیا۔اس سے پہلے انسانی تاریخ میں اتنے بڑے پیمانے پر کوئی بھی جنگ نہیں لڑی گئی۔اس جنگ میں تین ممالک اور ان کے لیڈر سوویت

یونین کے جوزف سٹالن، امریکہ کے فرینکن روز ویلٹ اور برطانیہ کے ونسٹن چرچل ایک طرف تھے جبکہ دوسری طرف تین ممالک اور ان کے سربراہ تھے۔ جرمنی کے ایڈولف ہٹلر، اٹلی کے بیسٹو سولینی اور جاپان کے شہنشاہ ہیروہیٹو۔ ان تینوں کے توسیع پسندانہ سامراجی عزائم تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہٹلر اور اس کے نازی بھی اپنے آپ کو بازوں بازو کہتے تھے جبکہ میسولینی اور اس کے فاشٹ بھی بایاں بازو کہلاتے تھے۔ سلطنت برطانیہ کی نوآبادیات میں بھی کچھ تنظیمیں اور افراد تھے جو بایاں بازو کہلاتے تھے، ہٹلر کے حق میں تھے۔

دوسری عالمی جنگ ہوئی۔ سٹالن کی سربراہی میں سوویت یونین نے یہ جنگ جیت کر دنیا کو نازی ازم اور فاشزم سے محفوظ کیا۔ چرچل اور ٹرومین (روز ویلٹ کی جگہ نئے صدر) نے اس جنگ کا سہرا سٹالن کے سر پر باندھا، اس کا شکریہ ادا کیا مگر مارچ 1946ء کی اپنی تقریر میں چرچل نے Ironcurtain کھڑا کر کے دنیا بھر میں سوشلزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے سوویت یونین کے خلاف ''سرد جنگ'' کا آغاز کر دیا۔ امریکہ جو بیسویں صدی کے آغاز میں آزادی کی تحریکوں کا حامی تھا اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف تھا۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر جب برطانوی سامراج کا خاتمہ ہوا تو وہی امریکہ عالمی سامراج بن کر اُبھرا اور دنیا پر اپنے پنجے گاڑنا شروع کر دیئے۔

سٹالن سوویت یونین اور سوشلزم کے خلاف بڑے پیمانے پر اینگلو امریکی پراپیگنڈہ مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ اس مہم میں ''بایاں بازو'' اور سوشلسٹ کہلائے جانے والے ٹراٹسکی کے پیروکار بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ امریکہ نے سرمایہ دارانہ نظام معیشت، مغربی طرز جمہوریت، انسانی حقوق کی آزادی، مذہب کی آزادی اور امن کے رکھوالے کے طور پر اپنے آپ کو دنیا کا سربراہ مقرر کر لیا۔ جبکہ وہ ممالک جنہوں نے سوشلزم کو اپنا لیا تھا اور وہ ممالک بھی جنہوں نے امریکہ کی بالادستی کے کردار کو تسلیم نہیں کیا تھا ان میں سے اکثر سوویت یونین کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اس طرح دنیا دو دنیاؤں میں تقسیم ہو گئی اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے درمیان سرد جنگ شروع ہو گئی۔ بایاں بازو، ترقی پسند اور سوشلسٹ سوویت یونین کے ساتھ تھے۔ قومی آزادی کی وہ تحریکیں جنہوں نے دوسری عالمی جنگ تک بہت زیادہ کامیابیاں حاصل نہیں کی تھیں اس جنگ کے اختتام پر انہوں نے زور پکڑا۔ ویت نام کی آزادی کی جدوجہد تیز ہوئی۔ سوئیکارنو نے انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ برصغیر میں آزادی کی لہر نے زور پکڑا۔ مصر میں شاہ فاروق جو سامراجی مفادات کا تحفظ کر رہا تھا جمال عبدالناصر نے 1954ء میں اس کا تختہ اُلٹ کر قومی حکومت قائم کی۔ عرب ممالک میں چند ایک کو چھوڑ کر باقی مغربی ممالک استعمار سے آزادی حاصل کرنے چلے گئے۔ مصدق نے ایران میں تیل کو تو جب کرائیگو امریکی کو بہت بڑا دھچکا پہنچایا۔ سامراج نہر سویز کو بھی ناصر نے قومی ملکیت میں لے لیا۔ ویت نام نے فرانسیسوں سے آزادی حاصل کی بعد میں امریکہ کی مسلط کردہ جنگ کو نہایت بہادری کے ساتھ بیس سال تک لڑ کر جیتا اور عوامی سوشلسٹ حکومت قائم کی۔ 1959ء میں فیڈل کاسترو، راؤل جو گویرا نے کیوبا میں سوشلسٹ انقلاب برپا کیا اسی طرح لاطینی امریکہ کے دیگر ممالک میں بھی قومی آزادی کی تحریکیں فتح مندی سے ہم کنار ہوئیں۔

1962ء میں بن بلا نے الجیریا کا انقلاب برپا کیا۔ پیپلز پارٹی کی پاکستان میں حکومت کے قیام کے بعد بھٹو صاحب ستر کی دہائی کی شروعات میں ایک وفد کے ہمراہ جب الجیریا گئے اور ڈاکٹر مبشر حسن نے بن بیلا سے انقلاب الجیریا کا ذکر چھیڑا تو انہوں نے کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ سامراج سے لڑ کر حقیقی آزادی حاصل کرنے کے لیے اتنا بڑا قبرستان بنانا پڑتا ہے۔ دنیا بھر میں قومی آزادی کی تحریکوں نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔ گھانا میں نکرومانے سوشلسٹ انقلاب برپا کیا جبکہ افریقہ کے دیگر ممالک میں آزادی کی جنگیں لڑی گئیں۔ ساؤتھ افریقہ میں ایک لمبی جدوجہد ہے جو سوشلسٹوں، ترقی پسندوں اور بائیں بازو کی تنظیموں نے مل کر کئی دہائیوں تک جاری رکھی، بے حد قربانیاں دیں اور بالآخر فتح حاصل کی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد جہاں اور بہت کچھ ہوا وہاں فلسطین اور کشمیر کے خون سے بہتے وہ دو دریا ہیں جو برطانیہ نے دنیا کو دیئے۔ 14 مئی 1948ء کو اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا، فلسطین کا خاتمہ ہو گیا اور لاکھوں فلسطینی بے گھر اور بے وطن ہو گئے جو آج تک خون میں نہائے ہوئے ہیں اور اپنے وطن کے حصول کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہی حال کشمیر کا ہے۔ فلسطینوں کی جدوجہد آزادی میں بائیں بازو اور دنیا بھر کی سوشلسٹ حکومتوں اور تنظیموں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ ممالک جو آزادی

حاصل کرنے کے بعد اشتراکی نظام اور عوامی جمہوریت کو اختیار نہیں کر سکے وہ اپنی اس حاصل کردہ آزادی کو محفوظ نہیں رکھ سکے اور امریکہ کے جدید نو آبادیاتی نظام کے چنگل میں آ کر اس کے وضع کردہ سیاسی، فوجی اور اقتصادی اداروں کے ذریعے معاشی اور سیاسی طور پر غلام بن گئے مگر ان ممالک میں بھی بایاں بازو اور سوشلسٹ، ریاستی جبر کے باوجود اپنی جدوجہد کرتے رہے۔

سٹالن کے بعد جب سوویت یونین نے بھی سوشل سامراج کی شکل اختیار کر لی تو اب چین میں ہونے والا تجربہ وہ تجربہ تھا جس پر میری طرح ان تمام سوشلسٹوں یا بائیں بازو کے افراد کی نظریں لگی ہوئیں تھیں جو ان دونوں سامراجوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر بڑا ظلم یہ ہوا کہ بہت جلد، سوشلسٹ دنیا اور بایاں بازو، چین نواز اور رُوس نواز دھڑوں میں تقسیم ہو گیا۔

5 مارچ 1953ء کو سٹالن کا انتقال ہوا تو Georgy Malenkov نے مارچ سے ستمبر 1953ء تک یعنی چند ماہ کے لیے سٹالن کی جگہ لے لی مگر ستمبر 1953ء میں Nikitia Khurushchev نے سوویت یونین کا اقتدار سنبھالا جو 1964ء تک قائم رہا۔ ملک میں De-Stalinization کا عمل شروع ہوا۔ مغرب کی حکومتیں اور ''ٹراٹسکی بایاں بازو'' بھی یہی چاہتا تھا مگر وہ بایاں بازو اور سوشلسٹ جو سٹالن کو دوسری عالمی جنگ کے فاتح اور سوویت یونین میں سوشلزم کی عمارت کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے والا معمار سمجھتے تھے وہ اس صورت حال پر بے حد پریشان تھے ان کا خیال تھا کہ اگر سٹالن کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جا رہا ہے تو آگے چل کر یہی حال لینن اور مارکس کا بھی ہوگا۔ اور پھر گورباجوف اور یلسن کے دور میں ایسا ہی ہوا۔

خروشیف کے دور میں سوویت یونین نے ترمیم پسندی کی راہ اختیار کر لی۔ مشرقی یورپ کی سوشلسٹ ریاستوں پر تسلط قائم کیا گیا جو ایک طرح کی سامراجی توسیع پسندی تھی۔ جب 1956ء میں ہنگری میں بغاوت ہوئی تو اس کو سوویت یونین کی فوجی کارروائی کے ذریعے ختم کیا گیا۔ اسی طرح خردشیف کے بعد بزنر شیف نے بھی اسی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے 1968ء میں چیکوسلواکیہ میں فوجی کارروائی کی۔ فردشیف کی ترمیم پسندی اور توسیع پسندی کی وجہ سے Sino-soviet conflict یعنی روس چین متنازعہ کھڑا ہوا جس نے بعد میں شدت اختیار کر لی البانیہ، کمبوڈیا اور صومالیہ نظریاتی طور پر ماؤزے تنگ خیالات کے قریب ہو گئے جبکہ مشرقی یورپ کی سوشلسٹ ریاستیں بھی تذبذب کا شکار ہو گئیں۔ مارشل ٹیٹو نے Third World یعنی تیسری دنیا کھڑی کر دی۔ حالانکہ دنیائیں تو دو ہی تھیں اور ہیں۔ ایک ظالم کی دنیا اور دوسری مظلوم کی دنیا۔ بائیں بازو اور ترقی پسندوں نے تیسری دنیا کی نئی ترکیب میں اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا شروع کر دی

اگرچہ خروشیف کے دور میں سوویت یونین نے سائنس و ٹیکنالوجی میں بہت ترقی حاصل کر لی اور خارجہ پالیسی میں بہت سے سوشلسٹ ممالک کا اقتصادی اور فوجی بوجھ بھی سوویت یونین نے اُٹھایا مگر اندرون ملک کی گئی خردشیف کی اصلاحات بری طرح سے ناکام ہوئیں اور 1962ء میں کیوبا میزائل کے بحران پر امریکہ کے ساتھ سمجھوتے نے اس کے وقار کو سنگین دھچکا پہنچایا عوام فردشیف سے بے زار ہو گئے۔ بالآخر اس کو 1964ء میں اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا۔ دنیا بھر کا بایاں بازو اور سوشلسٹ جو رُوس نواز نہیں تھے انہوں نے اُمید باندھ لی کہ شائد اب سوویت یونین ترمیم پسندی اور توسیع پسندی سے باہر نکل آئے گا اور نئی قیادت ملک اور کمیونسٹ پارٹی کو صحیح سمت میں ڈال دے گی مگر ان کی اُمید بہت جلد ٹوٹ گئی۔ Leonid Brezhnev کا دور 1964ء سے 1982ء تک کا ایک طویل دور ہے اس دور میں نہ صرف فردشیف کی پالیسیوں کو جاری رکھا گیا بلکہ کمیونسٹ پارٹی بیوروکریسی میں تبدیل ہو گئی اور اقربا پروری، کرپشن کا بدترین دور شروع ہوا۔

برژنیف کے دور میں ہی افغانستان میں اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوئی۔ 1979ء میں سوویت یونین کی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں۔ اگرچہ افواج افغانستان کی سوشلسٹ حکومت نے اپنے 1978ء میں برژنیف اور نور محمد ترکئی کے درمیان ہونے والے معاہدے کی رو سے بلوائی تھیں مگر دنیا بھر میں اس کو افغانستان میں سوویت یونین کی مداخلت کے طور پر دیکھا گیا۔ جبکہ سوویت یونین یہ چاہتا تھا کہ افغانستان میں قائم ہونے والی ترکئی کی حکومت مستحکم اور مضبوط ہو تاکہ چین، ایران اور پاکستان کے خلاف جغرافیائی اعتبار سے اس کو برتری حاصل رہے اور سنٹرل ایشیائی ریاستیں بھی جو کہ سوویت یونین کے ماتحت تھیں مضبوط رہیں۔

(جاری ہے)

☆☆☆

صبح کی لگن

تحریر: زاہدہ حنا

یہ خزاں کے دن ہیں، پت جھڑ کا موسم۔

ان دنوں ہمارے بہت سے بزرگ اپنا اپنا سفر مکمل کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ بی ایم کٹی گئے اور ان کے فوراً بعد طفیل عباس صاحب نے رخت سفر باندھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو پاکستان کے بارے میں خواب دیکھتے ہوئے آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر برصغیر تقسیم ہو رہا ہے اور ایک نیا ملک وجود میں آ رہا ہے تو یقیناً کوئی بڑا تجربہ ہونے والا ہے۔

طفیل عباس صاحب کی زندگی میں جھانک کر دیکھئے تو وہ بچہ نظر آتا ہے جو دس برس کی عمر میں یتیم ہو گیا اور جس کی بیوہ ماں اور دادی نے کٹھن دن اور سیاہ راتیں گزار کر اسے اس قابل کیا کہ وہ میٹرک کا امتحان پاس کرے اور پھر اپنی گزر گذر بسر کے لیے کھیتی باڑی کی جو تھوڑی سی زمین تھی، دادی نے اسے بیچ کر پوتے کو بی اے پاس کرایا اور جیسا کہ ان دنوں کا چلن تھا پوتا آزادی کا جشن دیکھنے کراچی کے لیے روانہ ہو گیا۔

یہاں سے اس نوجوان کی کہانی شروع ہوتی ہے جو ٹریڈ یونین سے وابستہ ہوا اور جب 92 برس کی عمر میں زندگی کی کتاب تہہ کی تو پاکستان مزدور تحریک کا ایک اہم رہنما تھا۔

اپنی زندگی کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ مزدور تحریک اور ترقی پسند ادب کا حوالہ دیتے ہوئے جولیس فیوچک کو یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے چند جملے ذہن میں ایسے سمائے کہ پھر زندگی ان ہی کے سائے میں گزری۔

یہ چیکوسلواکیہ کے ایک بہادر کی داستان ہے جو وہاں کی کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری تھا۔ جرمن فوجیوں نے دوسری عالمی جنگ میں اس کے ملک پر قبضہ کیا اور حریت پسندوں کے خلاف کارروائی کر کے بہت سے حریت پسندوں کو مار دیا۔ جو بچ گئے انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ فیوچک بھی جیل میں تھا جہاں جرمن فوجیوں نے اسے اس قدر اذیت دی کہ اس کی انگلیوں کی پوروں تک سے خون بہتا تھا۔ اس نے سگریٹ کے ٹکڑوں پر یہ کتاب لکھی۔ جرمن سپاہی جو پہرے پر تھا، وہ

اسے پوچھتا ہے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھی مار دیئے گئے ہیں اور باقی لوگ تمہیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں؟ جولیس نے جواب دیا کہ ہاں مجھے معلوم ہے۔ جرمن سپاہی پھر سوال کرتا ہے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کل تم بھی مار دیئے جاؤ گے؟ وہ بہادر جواب دیتا ہے ہاں مجھے معلوم ہے کہ کل میں بھی مار دیا جاؤں گا۔ مگر مجھے خوشی ہے کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آنے والا کل جو مزدوروں اور کسانوں کا ہے اس میں میرا حصہ ہوگا۔ جولیس فیوچک کے یہ الفاظ آج بھی میرے ذہن میں گونجتے رہتے ہیں۔ ماضی میں جتنی بھی مشکلات کا سامنا ہوا۔ یہاں تک کہ زندگی اور موت کے دوراہے پر بھی یہ الفاظ میری رہنمائی کرتے رہے۔ یہ الفاظ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بلاشبہ مشعل راہ ہیں اور انہی جیسی چھوٹی چھوٹی چنگاریوں نے مجھے جینے کا طریقہ سکھایا۔

طفیل صاحب نے 1948ء سے مزدور تحریک میں حصہ لینا شروع کیا۔ اس سفر میں ہماری ملاقات حسن ناصر شہید کے علاوہ دوسرے بڑے کمیونسٹ رہنماؤں سے ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری۔ وہ پاکستان کے ابتدائی کمیونسٹ رہنماؤں میں سے تھے۔ جیل گئے، سختیاں سہیں۔ انہوں نے ایک ترقی پسند رسالہ ''عوامی منشور'' نکالا جسے اپنے ہم خیال بھائی ذکی عباس کے ساتھ مل کر کئی دہائیوں تک چلاتے رہے۔ قومی مزدور محاذ کے سربراہ رہے اور اپنی سی کوشش ان کی یہی رہی کہ تمام ترقی پسند دوستوں کو جوڑ کر رکھیں، لیکن سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان اختلافات کے سبب یہ ممکن نہ ہو سکا۔ یہ ضرور ہوا کہ ان ہی دنوں ذوالفقار علی بھٹو جو ایک روشن خیال سیاسی رہنما کے طور پر اُبھر رہے تھے، ان سے طفیل صاحب کی قربت بڑھی اور پھر آخر کار ان ہی سے دوری ہوئی۔

طفیل صاحب نے اپنی زندگی اور پاکستان میں مزدور تحریک کی تاریخ ''صبح کی لگن'' کے نام سے لکھی ہے۔ اس کتاب میں 1947ء سے جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے آخری دنوں تک حالات بہت تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

ان واقعات کے جائزے کا طفیل صاحب کا اپنا زاویہ نظر ہے۔جس سے کچھ لوگوں کو اتفاق اور کچھ کو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن یہ پاکستان کی سیاسی اور مزدور تحریک کا ایک اہم باب ہے۔

ان کی زندگی میں نعیمہ عباس کی جس قدر اہمیت رہی اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے طفیل صاحب کی نیم مفلوج زندگی کو نہایت سلیقے سے بسر کراتے دیکھا ہے۔نعیمہ صاحبہ نے ان کے بھائی ذکی عباس کے بعد ''منشور'' کی ادارت کی، اسے پریس بھیجتی رہیں۔ انہوں نے کتنی محنت مشقت سے 3 بیٹیوں اور ایک بیٹے کی پرورش کی، یہ کوئی ان کے دل سے پوچھے۔ان کی بیٹی اسماعباس ہو یا دوسری بیٹیاں اور بیٹا سب ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچے ہوئے۔طفیل عباس کی دادی نے اپنی زمین بیچ کر انہیں بی اے کرایا تھا۔نعیمہ عباس نے اپنی آنکھوں کا تیل جلا کر اور اپنی تعلیم کے وسیلے سے طفیل صاحب کو گھر کے جھمیلوں سے محفوظ رکھا۔ اظہر عباس مرحوم، شوکت چوہدری، سجاد، کامران عباس اور کئی دوسرے آخر وقت تک ان کا ساتھ نبھاتے رہے۔ ان کے بارے میں ایک گواہی ان کے بھتیجے اختر عباس کی ہے جس نے لکھا کہ طفیل عباس صاحب سیاسی اور سماجی شخصیات کی ایک ایسی گزشتہ نسل، بلکہ ان میں بھی منفرد ایک ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو ہمیشہ اپنی ذات، اپنے جذبات اور اپنے مفادات کے مقابلے میں معاشرے کے مفاد اور ارتقا کو ترجیح دیتے ہیں۔ عجیب سر پھرے لوگ ہیں یہ بھی۔ ذاتی طور پر تو یہ انتہائی حساس اور جذباتی ہوتے ہیں مگر ان کی تحریر و گفتگو، ان کے اعمال اور ان کی تمام تر زندگی کا مرکز ذات کی تسکین کی بجائے عوام کی بہتری ہوتی ہے۔

''صبح کی لگن'' کے بارے میں وہ لکھتا ہے۔یہ کتاب جہاں ایک سطح پر ایک باکمال یونین مزدور تحریک، طبقاتی جدوجہد ایک بوسیدہ، ظالمانہ اور ایک بدقسمت قوم کی تاریخ ہے تو اس ایک اور سطح پر یہ ایک شخص اور بین السطور ایک خاندان کی بھی کہانی ہے۔اگر آپ روانی میں اس دوسری کہانی کو مکمل طور پر Miss کر جائیں تو شاید اس میں آپ کی کوئی خطا نہ ہو۔ پوری کتاب میں کہیں نہیں لکھا کہ رات گئے گھر کے دروازہ پہ نامہذب سی دستک سن کر دل کس طرح دہل جاتا ہے۔یا یہ کہ پاکستانی تھانوں، جیلوں اور CID کے پر تعفن اذیت خانوں میں بارہا تمام تر ذہنی اور جسمانی صعوبتوں کے باوجود مایوسی سے کیونکر مقابلہ کیا جاتا ہے یا یہ کہ جب طفیل صاحب جیل میں ہوتے تھے تو گھر والوں کو تلاش معاش کے علاوہ ان کی زندگی اور خیریت کا سراغ لگانے کے لیے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑتی تھی۔یا یہ کہ جب سالہا سال کی رفاقت کے بعد قریب ترین دوست بھی دغا دے جاتے ہیں تو دل یہ چوٹ کس طرح سہہ پاتا ہے۔

انتہائی کمسنی کے باوجود مجھے وہ دن آج بھی اچھی طرح یاد ہیں جب ہمیں پتہ چلا کہ میرے والد کا نام MLR-52 کے تحت پی آئی اے کی نوکری سے برطرف کیے جانے والوں میں شامل ہے۔اس وقت مجھے تو یہ سمجھ نہیں تھی کہ ہوا کیا ہے۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے ایک خاموش سا طوفان ہے۔ جس کی وحشت گھر کے ہر فرد کی آنکھوں میں سما گئی ہے بیروزگاری، واقعی ایک ایسا ہی طوفان ہے جس سے مقابلہ کرتے کرتے انسان نفسیاتی، جسمانی اور معاشی طور پر شل ہو کر رہ جاتا ہے میرے والد اور خصوصاً میری والدہ کی انتھک محنت اور جدوجہد نہ ہوتی تو میں اور میرا بھائی آج کسی قابل نہ ہوتے۔کتنی کمال بات ہے کہ ایک آمر کا ہمارے جیسے سینکڑوں کنبوں کو دیا گیا یہ پرتشدد تحفہ ہمیں آخر کار طبقاتی شعور بخشنے کا باعث بنا۔

طفیل صاحب کی رخصت کے بعد یہ ان کے جاں نثار دبئی سے آنے والے کامران عباس اور ان کے ساتھیوں کی محبت تھی کہ ان کے ریفرنس میں آرٹس کونسل کا ہال بھرا ہوا تھا اور میرے لیے یہ انتہائی مسرت کا سبب تھا کہ اس میں پرما عباس نے پہلی مرتبہ تقریر کی۔

بقیہ: پاکستان مزدور محاذ چنیوٹ

نائب صدر چوہدری ہاشم علی نے کی۔

ریلی کے شرکاء نے مہنگائی اور بے روزگاری کے خلاف نعرے لگائے،شرکاء کے مطالبات میں کم از کم اجرت پر علمدرآمد کروایا جائے۔فرنیچر انڈسٹری کے مسائل کو سن کر حل کیا جائے۔رکشوں سے بلدیہ ٹیکس شہری حدود کمیٹی فوری طور منتقل کیا جائے۔صنعتوں میں چنیوٹ کے شہریوں کے لئے جاب پر غیر اعلانیہ پابندی ختم کی جائے۔

شاپنگ مالز، پیٹرول پمپ۔ پرائیویٹ سکول میں کم از کم ایکٹ اور سوشل سیکورٹی کارڈ بنوائے جائیں۔EOBI اور سوشل سیکورٹی دفاتر ضلع میں بنائے جائیں۔ہسپتال کی زمین پر پلازہ کی لیز کینسل کی جائے۔ پٹرول پمپ کی جگہ پر ٹراما سنٹر بنایا جائے۔شہر میں ٹریفک اور تجاوزات کے مسائل حل کئے جائیں۔سرکاری ہسپتال میں ادویات اور دیگر سہولتوں کو یقینی بنایا جائے۔

چنیوٹ سے متصل خصوصاً فیصل آباد روڈ کو ون وے کیا جائے۔نوجوانوں کے لئے رنگ روڈ پر کھیل کے میدان بنائے جائیں۔فرنیچر ورکشاپوں کے لئے اسٹیٹ آف دی آرٹ نمائش سنٹر بنایا جائے اور ٹیکسوں میں کمی کی جائے۔PT1 پراٹی کی رجسٹری اور نقشہ جات کا فوری طریقہ کار بنایا جائے تاکہ شہری پراپرٹی فراڈ سے بچ سکیں۔سینٹری ورکرز کی تعد 350 کی جائے اور مستقل کیا جائے۔

ریلی سے ڈاکٹر علی امین، حاجی ہاشم علی، ایم ایم عاطف حنیف ایڈووکیٹ، ظفر بخاری ایڈووکیٹ، خالد محمود ایڈووکیٹ، رانا ابوبکر ایڈووکیٹ اور یوسف کنگ (لیبر لیڈر) نے خطاب کیا۔

انکم ٹیکس قانون کو سادہ ہونا چاہیے

2001 میں جنرل پرویز مشرف اور شوکت عزیز نے آئی ایم ایف کی ہدایت پر نیا انکم ٹیکس قانون نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر بہت سے لوگوں نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کے پاس یہ قانون بنانے کا اختیار نہیں۔ اس نکتے پر بھی زور دیا گیا کہ صدارتی آرڈیننس کے ذریعے انکم ٹیکس قانون کا نفاذ آئین کے آرٹیکل 77 کی خلاف ورزی ہے جو ایک جانے پہچانے اصول ۔۔۔"نمائندگی کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں'' ۔۔۔کی روح کے مطابق ہے۔ تاہم جنرل مشرف نے احتجاج اور آئین کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے انکم ٹیکس آرڈیننس 2001 جاری کر دیا اگرچہ اس ٹیکس کا نفاذ سال 2003 سے ہونا تھا اور اس کام کو آنے والی منتخب حکومت پر چھوڑا جا سکتا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے جنرل مشرف نے ضیاالحق کی یاد تازہ کر دی جنھوں نے انکم ٹیکس آرڈیننس 1979 نافذ کیا تھا۔

افسوس کی بات یہ کہ خلاف آئین اور غلطیوں پر مبنی قانون کو چار منتخب شدہ حکومتوں نے بھی برقرار رکھا ہے۔ 2003 سے 2008 کے دوران پی پی پی کی مخلوط حکومت سے لے کر موجودہ پی ڈی ایم حکومت نے انکم ٹیکس آرڈیننس 2001 پر نظرِ ثانی کی زحمت تک نہیں کی۔ اگرچہ سپریم کورٹ نے اپنے درج ذیل فیصلے میں ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی:

قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہم ایسا کوئی انکم ٹیکس ایکٹ منظور نہیں کر سکے ہیں جسے اسمبلی میں زیرِ بحث لایا گیا ہو۔ اب تک جاری کیے گئے دونوں آرڈیننسوں کا نفاذ مارشل لاء ادوار میں ہوا۔

آئینی صورت یہ ہے کہ جس آرڈیننس کو اسمبلی میں پیش نہ کیا جائے تو وہ چار ماہ کے بعد غیر موثر ہو جاتا ہے۔ اگر اسمبلی اسے منظور کر لے تو پھر یہ ایکٹ بن جاتا ہے اور اس کی آرڈیننس کی حیثیت منسوخ ہو جاتی ہے۔ یہ پہلو ظاہر کرتا ہے کہ آئین، قانون ساز ادارے کو پابند کرتا ہے کہ وہ آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے قانون سازی کرے۔

تاہم مذکورہ آرڈیننس کا نفاذ متنازع تھا کیونکہ اس پر اسمبلی میں بحث نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ سے متعلقہ محکمے اسے مختلف عدالتوں میں چیلنج کرنے پر مجبور ہو گئے۔

انکم ٹیکس آرڈیننس 2001 اس قدر متنازع ہے کہ

حذیمہ بخاری وڈاکٹر اکرام الحق

اس میں گزشتہ بیس سال کے دوران تین ہزار سے زیادہ مرتبہ ترمیم ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ سے عدالتوں میں بہت سے کیسز دائر کیے گئے اور کنفیوژن نے جنم لیا۔

اس کی تفصیل Law Practice of (Income Tax, Volume I) کی دستاویز میں دیکھی جا سکتی ہے۔

چونکہ پارلیمنٹ اور ایف بی آر انکم ٹیکس آرڈیننس 2001 کے فریم ورک میں موجود متنازع امور کو ختم کرنے میں ناکام رہے۔ اس لیے سپریم کورٹ کا 2009 کا حکمنامہ آنے تک اربوں روپے کے محصولات ضائع ہو چکے تھے۔ فاضل عدالت نے لکھا۔۔۔"ایسا لگتا ہے کہ اس آرڈیننس کو جلد بازی میں ڈرافٹ کرتے وقت اہم شقوں کو حذف کر دیا گیا۔ اس کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بنائے جانے کے وقت سے ہی اس آرڈیننس میں نہایت سرعت سے لگاتار ترامیم کرنے کی مشق کو روا رکھا گیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ سیکشن 238 کے مطابق آرڈیننس کا نفاذ اُس تاریخ سے عمل میں آنا ہے جس دن وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں اس کا نوٹیفکیشن جاری کر دے۔ چنانچہ یہ نوٹیفکیشن (SRO No.381(I)/2002) 16 جون 2002 کو جاری ہوا اور یکم جولائی سے نافذ العمل سمجھا گیا۔ تاہم اگر اس آرڈیننس میں ایک ہزار سے زائد ترامیم نہ کی گئی ہوتیں تو شاید اس کی حتمی تاریخ کا تعین کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔

CIT v Ely Lilly Others 2009 PTR 23 [Para 53] میں سپریم کورٹ نے بہت وضاحت سے کہا۔۔۔"اس کی زبان، مواد اور دائرۂ کار کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی غلطیوں کو دور کیا جا سکے اور اسے اس قابل بنایا جائے کہ عام ٹیکس دہندگان بھی اسے سمجھ سکیں'' 22 جون 2009 کو آنے والے اس فیصلے نے آئین کے آرٹیکل 189 کے مطابق حکومت کو پابند کیا لیکن تاحال اس پر عمل نہیں ہوا۔ انکم ٹیکس آرڈیننس کے گورکھ دھندے کی وجہ سے فی الحال ایف بی آر ٹیکس دہندگان کی سہولت کے لیے کچھ نہیں کر سکا"۔

اس پسِ منظر میں سابقہ حکومت کی طرف سے ایک حوصلہ افزا پیش رفت دیکھنے میں آئی کہ اس نے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کیا تاکہ نیا اور سادہ تر انکم ٹیکس قانون بنایا جا سکے۔افسوس کی بات ہے کہ پارلیمنٹ نے ابھی تک اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بنائے جانے والے نئے انکم ٹیکس قانون میں موجودہ کم از کم ٹیکس کی حد، رعایت، چھوٹ اور خود تشخیص کی سہولت پر نظر ثانی کی جائے اور ہر طرح کے تضاد کو ختم کیا جائے۔

Bill of Rights'Taxpayers کے تحت ٹیکس دہندگان کو حق دیا جائے کہ وہ جان سکیں کہ ان کا ادا کردہ ٹیکس کسی مخصوص طبقے کی عیش عشرت کی بجائے عوامی فلاح کے کاموں پر خرچ ہوگا اور ایک آزاد اور خود مختار ٹیکس اپیلیٹ سسٹم اس پر نظر رکھے گا۔اس نئے انکم ٹیکس قانون کو جلد از جلد بنانے کے لیے بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔نئے انکم ٹیکس قانون کو مندرجہ معروضات کا حامل ہونا چاہیے:

1۔ٹیکس نظام کو آئین کے آرٹیکل 3 کے تحت لایا جائے۔

2۔مختلف درجہ بندیوں پر یکساں ٹیکس نافذ کیا جائے۔

3۔بالواسطہ ٹیکسز پر انحصار کم سے کم کیا جائے۔

4۔عوام کو ٹیکس کی ادائیگی کا پابند بنایا جائے۔

5۔ایگزیکٹیو آرڈر کے ذریعے ٹیکس وصول کرنے کی روایت ختم کی جائے۔

6۔ٹیکس میں چھوٹ دینے کے عمل کو کم کیا جائے۔

7۔نیشنل ٹیکس کورٹ، جو سپریم کورٹ کے تحت کام کرے، کا قیام عمل میں لایا جائے۔

8۔ٹیکس قوانین میں موجود تمام استثنیٰ اور بھول بھلیوں کو ختم کر کے اسے مربوط اور سادہ بنایا جائے۔

اگر ہم ٹیکس کا نظام بہتر کرنا چاہتے ہیں تو یہ قانون سازی ناگزیر ہے۔بلاواسطہ ٹیکسز کا مقصد ریونیو میں اضافہ ہوتا ہے تاکہ سماجی اور معاشی سروسز کے لیے زیادہ رقم میسر آ سکے لیکن اس پر کلی انحصار درست نہیں۔ اس کے علاوہ ٹیکس کے نظام میں پیچیدگیاں جہاں عام ٹیکس دہندگان کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہیں، وہاں ٹیکس چوروں کے لیے بہت سے راستے بھی کھول دیتی ہیں۔اسے وصول کرنے کے لیے بھاری بیوروکریسی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اس سے بدعنوانی کا راستہ بھی کھل جاتا ہے اور شہریوں کے سر پر خوف کی تلوار بھی لٹکی رہتی ہے۔درحقیقت اب وقت آ گیا ہے کہ ٹیکس کے نظام کو سادہ کر کے ریاست کے محصولات میں اضافہ کیا جائے۔ٹیکس کے نئے نظام کے ذریعے بچت کرنے اور مختلف سکیموں میں، خاص طور پر توانائی کے شعبے میں کام کرنے والی سکیموں میں سرمایہ کاری کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔

بقیہ: پاکستان میں قومی سوال ایک مارکسی نقطہ نظر

1947ء کے بعد ہونے والی ملکی صنعتی ترقی کے بنیادی مراکز کراچی اور پنجاب کے چند شہر بنے۔اور پوری ملکی صنعت کا 60فی صد سے زائد حصہ صرف ایک شہر کراچی میں مرتکز کر دیا گیا۔جس سے اُردو بولنے والے مہاجروں، پشتونوں، پنجابیوں، بلوچوں و دیگر قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے بڑی تعداد میں روزگار اور معاشی خوشحالی کے حصول کے لیے کراچی کا رُخ کیا۔چنانچہ موجودہ صورت حال میں پشاور سے زیادہ پشتون کراچی میں ہیں۔

(جاری ہے)

بقیہ: تبصرہ الیاس اسد

کی کھینچا تانی نے سماج میں عجب خلفشار، بے یقینی، خوف اور لامرکزیت کی فضا پیدا کی ہے اس روش سے افراد معاشرہ بلواسطہ یا بلا واسطہ ڈرے سہمے رہتے ہیں۔یہاں تک کہ کوئی اپنے حق کے لئے آواز بھی نہیں اٹھا پاتا اور دوسری جانب سماج کے سرکردہ افراد کے منافقانہ طرز عمل کی تقلید اور منفی اثرات سے معاشرتی اقدار زبوں حالی کا شکار ہو جاتی ہیں اور ردعمل کے طور پر سیاسی، معاشی، اخلاقی ،نفسیاتی وسماجی مسائل کی جڑیں گہری ہو کر کسی بڑے معاشرتی خلفشار کو بنیاد فراہم کرتی ہیں ۔ ایسے حالات میں ادیب اور شاعر کی زمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔اس ادبی ذمہ داری کو حسین نوید نے عمدگی سے اپنی نظم میں نبھایا ہے۔

حسین نوید کی شعری تخلیقات کے موضوعاتی وفنی جائزے سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ انھوں نے فکری جدت پسندی کو انفرادی اسلوب سے آراستہ کر کے صاحب طرز شاعر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔حسین نوید جن کی شاعری میں جدید ادبی کروٹوں کے آثار اور اجتہادی واختراعی فکر نمایاں ہے۔وہ موضوعات کو اس فنی پختگی سے قلم زد کرتے ہیں کہ ان کے شعری تجربے تخلیقی اعتبار سے انمول احساس میں پروئے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔حسین نوید کی فکری استعداد، قوت مشاہدہ اور زبان کے سماجی تفاعل پر زیرک نگاہی کے سبب ان کے شعری تجربات منفرد اور اچھوتا تخلیقی تجربہ ہیں جو کہ موجودہ حالات میں"قومی سوال"کو جنم دیتا ھے جو ہم عصر شعراء میں ان کی انفرادی حیثیت کی دلیل ہے۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

کامران عباس

ماہنامہ منشور کے مینجنگ ایڈیٹر حسین نوید اور منشور کی ٹیم کی کوششوں سے ہم یکم مئی سے پہلے منشور کے شمارے کو مارکیٹ میں لانے میں کامیاب ہوئے۔ ہمارا اگلا ہدف منشور کی "ویب سائٹ" بنانا ہے۔ ہماری "ویب سائٹ" کا اڈریس WWW manshoorpk.com ہوگا اور اس پر کام جاری ہے۔ اب ہمارا اگلا ہدف ہے کہ ماہ جنوری کے شمارے کو "ویب سائٹ" پر لوڈ کیا جائے تاکہ دنیا بھر میں منشور کے قارئن کے لیے منشور آسانی سے دستیاب ہو۔ جب منشور کی ڈیجیٹلائزیشن کی بات ہوئی ہے تو یہاں اپنے ساتھی آصف کریم کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ آصف کریم کی ہی کوشش کے نتیجہ میں منشور کی تمام کاپیاں جو طفیل عباس صاحب کے انتقال کے بعد کراچی سے لاہور بھیجی گیہں تھیں۔

وہ سب کی سب "سکین" کر کے محفوظ کر لی گئی ہیں۔ یہ مواد 47 سالوں پر محیط ہے۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ آہستہ آہستہ تمام ریکارڈ "ویب سائٹ" پر منتقل کر دیا جائے۔ یہاں میں ان تمام دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ماہنامہ منشور کے پہلے شمارے کو سراہا اور اپنے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ ان میں کلیم درانی۔ یامین جتوئی۔ شاداب مرتضے۔ منظور رضی۔ جنید اعوان۔ مختار حسین اعوان۔ ندیم نبی احمد۔ ندیم سبطین۔ یوسف انور۔ وسیم جمال۔ محمد احمد شاہ۔ محمد اسلم۔ جنید رضوان۔ ڈاکٹر تیمور رحمان۔ اشتیاق چوہدری ایڈوکیٹ سپریم کورٹ۔ سید عباس شاہ۔ اکرم بندہ اور بے شمار دیگر ساتھی شامل ہیں۔ یہاں میں ایک اور قابل ذکر بات بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ محترمہ زاہدہ حنا نے بھی منشور کی سرپرستی قبول کر لی ہے اور وہ بہت خوش ہیں کہ منشور کا دوبارہ اجرا ہوا ہے۔ طفیل عباس صاحب بھی ہر ماہ منشور کی کاپی انہیں ضرور ارسال کرتے تھے۔ آخر میں کچھ ذکر میں بزم کامران کا بھی کردوں۔ بزم کامران کا سلسلہ اتفاقیہ ہے۔ Podcast کرنے کا کہیں دور دور خیال تک نہیں تھا۔

جب منشور کے لیے جنید اعوان کے انٹرویو کے لیے پہنچا تو خیال آیا کہ بہت لوگ ہیں جن سے بات کرنا چاہیے۔ ان کی یاداشتوں کو قلمبند کرنا چاہیے اور جہاں جہاں ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کوتاہیوں کی نشاندہی ہونی چاہیے تاکہ ہم آگے بڑھ سکیں۔ پہلے سوچا کہ بزم منشور کے نام سے ہی یہ سلسلہ شروع کیا جائے۔ ہمارے لاہور۔ راولپنڈی اور فیصل آباد کے ساتھی پہلے ہی سے بزم منشور کے نام سے کام کر رہے تھے تو میں نے سوچا کوئی کنفیوژن پیدا نہ ہو اس لیے اس کا نام "بزم کامران" رکھ لیا اور کام شروع کر دیا۔ اب چاہے کوئی بزم منشور کہے یا بزم کامران بات ایک ہی ہے۔ ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں دس منٹ کا ایک کلپ ریکارڈ کرواں کہ "سوشلزم کیا ہے" اس کلپ سے بہت زیادہ دیکھنے والے مل جاہیں گے، مگر میں نے منع کر دیا۔ کیونکہ ڈاکٹر تیمور بہترین کام کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنی توانائیاں ایک دوسرے سے مقابلہ میں ضائع نہیں کرنی بلکہ ہم کو اپنی توانائیاں ایک دوسرے کی طاقت بننے پر صرف کرنی ہیں۔ ڈاکٹر تیمور کے سارے "پوڈ کاسٹ" ہمارے اپنے ہیں۔

مزدور فیڈریشنز میں مختار حسین اعوان۔ ناصر منصور۔ کامریڈ زہرا۔ وقار میمن۔ شفیق غوری۔ جنید اعوان ان سب کا کام ہمارا کام ہے اور ہمارا رسالہ منشور اور پاکستان مزدور محاذ ان کا ہے۔ ہم کل بھی لیفٹ کے وسیع تر اتحاد کے خواہاں تھے اور آج بھی ہم لیفٹ کے وسیع تر اتحاد کے لیے پوری کوشش کریں گے۔

بقیہ: بزم کامران

حوالے کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ کیا آپ کی جدوجہد سے ماضی کی طرح آج بھی ریلوے کی نجکاری کو روکا جا سکتا ہے جواب۔ ہمارا تو یہ ہی ایمان اور نظریہ ہے کہ منظم جدوجہد سے ہی اس عمل کو روکا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل بڑے بڑے طائع آزما آئے۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی پارٹیاں اقتدار میں آئیں ان پارٹیوں کے بہت سے لوگ ریلوے کو خریدنا چاہتے تھے لیکن ہم نے اپنے اتحاد سے ریلوے کی نجکاری کو روکا اور آہندہ بھی ہم اپنے اتحاد اور محنت کشوں کی طاقت سے اس عمل کو رکوائیں گے۔

17 اپریل 2023 کو ہم نے کراچی ٹاور سے پریس کلب تک ہزاروں کی تعداد میں مزدوروں کا جلوس نکالا تھا وہ مزدوروں کا ایک سمندر تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم قومی مفاد میں کسی صورت ریلوے اور دیگر اداروں۔ جن میں پی آئی اے، سٹیل مل شامل ہیں ان کی نجکاری نہیں ہونے دیں گے۔ ختم شد

پاکستان کا ماضی اور حال

بیگم شمیم چوہدری

پاکستان کی سیاست کچھ اس طرح سے ظہور پزیر ہوئی ہے کہ وہ ادارے جو ریاست اور ملک کی علامت ہوتے ہیں وہ ہمارے ہاں 1950 کی دہائی سے انتشار کا شکار ہو گئے۔ 1951 میں خواجہ ناظم الدین کے دور اقتدار میں ہونے والے انتخابات کے دوران حکمران جماعت پر دھاندلی کے الزامات لگائے گئے۔مسلم لیگ کے مخالفین نے اس پر انتخابات کے دوران پولیس اور بیوروکریسی کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا سنگین الزام بھی لگایا۔ دھاندلی کے ان الزامات سے پاکستان کے سیاسی کلچر کا رخ بدل گیا اور حکمران جماعت کی جانب سے بیوروکریسی کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کی ابتدا ہوگئی۔جس سے بیوروکریسی حکومت کے ماتحت ہوگئی۔مگر لیاقت علی خان کی وفات کے بعد جب مسلم لیگ کی قیادت کمزور ہو گئی تو بیوروکریسی حکومت پر حاوی ہوگئی۔اسی وجہ سے بیوروکریسی سے محمد علی بوگرہ، چوھدری محمد علی۔ملک غلام محمد اور سکندر مرزا جیسی شخصیات برسر اقتدار آئیں ۔اس وقت تک عدلیہ آزاد تھی جب کہ فوج غیر منظم اور کمزور حیثیت رکھتی تھی اور سیاست میں اس کی کوئی مداخلت بھی نہ تھی۔ 1952 کے امریکی فوجی معاہدوں نے اسے طاقت ور بنا دیا تو فوج نے بندوق کی طاقت کے زور پر اقتدار میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔1953 میں جب گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی تحلیل کر دی تو سپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین اس اسمبلی کی بحالی کے لیے عدالت تک چلے گے مگر ان کے ہاتھ میں نظریہ ضرورت کا پرزہ پکڑا دیا گیا پھر یہ پرزہ پاکستان کی سیاست سے کبھی نکل نہ پایا اور پاکستان مسلسل آئین کی حکمرانی سے محروم ہوتا گیا۔پاکستان میں آج تک ریاست اور حکومت کا فرق ہی واضع نہیں ہو سکا۔حکومت تو آنے جانے والا ایک عمل اور ایک بندوبست ہے لیکن ریاست ایک عمل داری ہے۔ایک سرزمین ہے اور ایک وطن۔اس سے غیر جانب دار نہیں ہوا جا سکتا۔لیکن ریاست کے ستون جب خود کو تقسیم کر دینے والے اقدامات کرنے لگتے ہیں تو ریاست بذات خود متنازعہ ہوتی رہتی ہے۔یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ریاست اپنا حقیقی تصور قائم نہیں کر سکی جو کھیل 1953 میں غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کے ساتھ کھیلا وہی کھیل بار بار ہر حکومت کے ساتھ کھیلا جاتا رہا۔یہ گھٹیا کھیل تقریباً تمام ہی حکمرانوں کا بڑا پسندیدہ کھیل رہا ہے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں سکندر مرزا۔ایوب خان۔یحی خان۔ذوالفقار علی بھٹو۔ضیا الحق۔محمد خان جونیجو۔بے نظیر بھٹو۔نواز شریف۔غلام اسحاق خان۔پرویز مشرف اور اب عمران خان دراصل غلام محمد ہی کے الدلتے بدلتے سائے ہی بنے رہے ہیں۔پاکستانی سیاست کے بڑے بڑے نام چاہے جتنے مرضی قد آور نظر آتے ہوں یہ سب عملاً ایک ہی خاندان کے فرد ہیں اور وہ خاندان ہے استحصالی طبقہ، یہ سب کے سب اہل وطن کو معاشی، سیاسی اور معاشرتی طور پر لوٹنے کھسوٹنے پر متحد اور متفق رہے ہیں اور ان سب کے تانے بانے عالمی سطح پر بیرونی استحصالی قوتوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔دراصل پاکستان کی بنیاد میں ہی اس کی تنزلی کے اسباب رکھ دیئے گے تھے۔خود انگریز سامراج نے ہی ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ جب وہ ہندوستان سے روانہ ہو تو یہاں کے حکمران اس کے مرہون منت رہیں اور وہ اپنے مالی مفادات یہاں کے نیے، تقسیم شدہ ممالک سے حاصل کرتا رے۔انگریز نے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں پارٹیوں سے مراعات حاصل کیں اور آنے والے کل کے لیے دونوں ممالک میں اپنے سامراجی مفادات کی جگہ بنالی۔پاکستان کی معیشت کو زراعت پر جامد کر کے اپنے لیے جاگیرداروں کی شکل میں وفادار پیدا کیے۔پاکستان کو دانستہ طور پر ایسی حالت میں رکھنا چاہا تاکہ ملک جاگیرداروں ،مزہبی پاپاہیت اور فوج کے زیر اثر ہو اور وہ خود اس صورت حال کو اپنے مفاد میں استعمال کرے۔ورنہ ان بیرونی استحصالی طاقتوں کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ یہاں بھی جاگیرداری ختم کروا کے ملک کو صنعتی ڈگر پر ڈال سکتے تھے جیسا کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد انہوں نے جاپان میں جاگیرداری کا خاتمہ کیا جس کے بعد وہ دنیا کا بڑا صنعتی ملک بن کر ابھرا مگر ایسا کرنا ان کے مفاد میں نہ تھا۔پاکستان کے ابتدائی دور سیاست میں جب مسلم۔لیگ پر یونیسٹ (Unionist) پارٹی کے ذریعے بڑے جاگیرداروں اور قبائیلی سرداروں کا قبضہ ہو چکا تھا۔تو ان حالات میں استحصالی طبقوں کو لیاقت علی خان کی وزیر اعظم کی حیثیت سے کوئی خاص ضرورت نہیں تھی اسی لیے انہیں راولپنڈی میں ایک جلسہ کے دوران قتل کر دیا گیا۔اس طرح فوج کی

سرپرستی میں ملک پر پوری طرح جاگیرداروں اور قبائیلی سرداروں کا قبضہ ہوگیا۔اس دور میں مختلف ترقی پسند اور قوم پرست پارٹیوں کے اشتراک سے مولانا عبدالحمید خان بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی کا وجود سامنے آیا اور ملک میں الیکشن کے مطالبات زور پکڑنے لگے مگر فوج جو کہ استحصالی طبقوں کی سرپرستی کر رہی تھی سمجھتی تھی کہ اگر الیکشن ہو گے تو طاقت استحصالی طبقوں کے ہاتھ سے نکل نکل جاے گی اس لیے ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔جنرل ایوب خان کے ماتحت خود فوج 10 سال تک حکمران رہی اور نام نہاد جمہوریت کا بھی نام ونشان ختم ہوگیا ۔مارشل کے خلاف عوامی تحریک چلی تو ایوب خان رخصت ہوے۔یحی خان کی سرپرستی میں 1970 کے الیکشن ہوے مگر اکثریتی پارٹی عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہ کرنے کے مسلہ پرخون خرابے کے بعد ملک دوٹکڑے ہوا اور بنگلہ دیش وجود میں آگیا۔ان حالات سے یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پاکستان کی بنیاد جس مذہبی پاپاہیت کی سوچ پر رکھی گی تھی وہ ایک رجعت پسند غیر سائنسی نظریہ تھا جو ملکی ترقی میں رکاوٹ بنا اور اس نے طبقاتی سیاست اور قومیت کو ابھرنے نہیں دیا۔پاکستان 1947 سے اس نظریہ پر چل رہا ہے۔اگرچہ بنگلہ دیش بننے کے بعد ہندو اور مسلمانوں کے دوقومی نظریہ کی بھی نفی ہو گی۔بنگلہ دیش بننے کے بعد بھٹو صاحب کے حصہ میں جو نیا پاکستان آیا وہ بھی طبقاتی نقطہ نظر سے کوئ نیا پاکستان نہ تھا جس میں جاگیرداری نظام اور مزہبی پاپاہیت کا تسلط رہا اور یہ سامراجی طاقتوں ،خاص طور سے امریکی سامراج کی گرفت میں رہا۔بھٹو صاحب اور ان کے بعد آنے والی حکومتوں نے آمرانہ طرز حکومت اختیار کیا اور جمہوری اداروں کی تباہی میں کوئ کسر نہ چھوڑی۔ملک کی سیاسی قیادت نے فخریہ فوج کے ساتھ شریک اقتدار ہونے کو ایک اعزاز سمجھا اور یہ سلسلہ آج تک ایسے ہی چل رہا ہے اگر آج کے حالات کا جائزہ لیا جاے تو عمران خان کی حکومت سے لے کر PDM کی موجودہ حکومت تک تمام سیاسی جماعتوں کی قیادتیں فوج کے ساتھ مراسم کا فخریہ اظہار کرتی رہی ہیں اور آج جب کہ عمران خان اور فوج کے درمیان تعلقات میں کچھ تلخیاں نظر آرہی ہیں اور چند روز قبل عمران خان کی گرفتاری کے بعد PTI کے کارکنوں کی طرف سے جس طرح کا ردعمل دیکھنے کو ملا اور جس طرح لاہور میں کور کمانڈر ہاوس کو جلایا اور لوٹا گیا اور راولپنڈی میں جی۔ایچ۔کیو میں بھی توڑ پھوڑ کی گئی اس کے علاوہ سرگودھا اور دیگر شہروں میں فوجی تنصیبات کے علاوہ سویلین پراپرٹی اور ٹرانسپورٹ کو جلایا گیا اور 50 سے زیادہ لوگوں کے ہلاک ہونے اور سینکڑوں کے زخمی ہونے کی اطلاعات بھی ہیں اور اب ان وارتوں میں ملوث افراد کی شناخت کے بعد ان کی گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری ہے تو ان تمام تر واقعات وحالات نے ملکی سلامتی اور معیشت کے لیے بہت سے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔فوج کے سربراہ نے بھی اپنے فولادی عزم کا اظہار کرتے ہوے ان واقعات میں ملوث افراد کے علاوہ ان کے سہولت کاروں کو بھی کیفر کردار تک پہنچانے کی بات کی ہے۔بلاشبہ ایسے تمام لوگوں کے خلاف سخت ترین اقدامات ہونے چاہیں جنہوں نے ملکی سلامتی اور قومی املاک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ایک سوال بھی سامنے آتا ہے جس کا جواب تلاش کرنا بھی تمام سیاسی جماعتوں کی قیادت اور حکمران جاعت کے رہنماوں اور ملکی سلامتی کے ذمہ

داران کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ آخر وہ کیا محرکات ہیں کہ جنہوں نے پلک جھپکتے ہی ہر طرف ایک قیامت برپا کر دی۔کہتے ہیں گندگی کو جتنا مرضی سطح آب کے نیچے چھپانے کی کوشش کی جاے وہ سطع آب پر آہی جاتی ہے۔ایسا ہی کچھ وطن عزیز میں ہوا ہے کہ 23 کروڑ کی آبادی کے اس ملک کے عوام کو 76 سالوں میں ماسواے محرویوں۔ جہالت۔بیماری۔بے روزگاری۔اور مسائل کے کچھ نہیں دیا گیا۔انہیں جدید تعلیم سے روشناس کرنے کی بجاے جہادی کلچر کا حصہ بنایا گیا اور اب جب وہ ساری گندگی سطح آب پر آگ رہی ہے تو اس کی ذمہ داری وطن عزیز کے تمام ادارے اور حکمران جماعتیں قبول کریں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بجاے اس کی کروڑوں کی تعداد میں نوجوان نسل کے مستقل کو سنوارنے کی منصوبہ بندی کریں۔دنیا ترقی کے سفر میں ہم سے بہت آگے نکل چکی ہے اگر ہمارے منصوبہ سازوں اور حکمرانوں نے عقل کے ناخن نہ لیے تو یہ بات ذہین نشین رہنی چاہیے کہ مسائل کو دبا کر چھپا کر کسی طور بھی مسلہ حل نہیں ہوگا مسائل کے حل کی طرف جانے سے ہی مسائل کے حل میں مدد مل سکے گی۔اب بھی وقت ہے کہ ملک سے فرسودہ جاگیردارانہ اور قبائلی نظاموں کا خاتمہ کر کے ملک کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی طرح جدید صنعت کاری۔خود انحصاری اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نظام تعلیم کو فروغ دیا جاے۔

پاکستان میں قومی سوال
ایک مارکسی نقطہ نظر

ڈاکٹر مصدق حسین

قومی سوال کا تاریخی پس منظر:

عصر حاضر کے سماج میں طبقات کے علاوہ انسانوں کی قومی برادری یعنی قومیں بھی موجود ہیں۔قومیں سرمایہ داری کے فروغ کی پیداوار ہیں۔ تاریخ میں قوموں سے پہلے انسانوں کی اس قسم کی برادریاں جیسے خانوادے، قبیلہ اور قومیت موجود تھیں۔

خانوادے انسانوں کا ایسا گروہ ہوتا ہے جو خونی اور معاشی رشتوں سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وسائل پیداوار کی مشترکہ ملکیت اور مشترکہ استعمال بڑے خانوادے کی بنیاد کا کام کرتا ہے۔کئی خانوادے مل کر ایک قبیلے کی تشکیل کرتے ہیں۔ قبیلے اور خانوادے قدیم اشتمالی نظام میں وجود رکھتے تھے اور ان کی باقیات موجودہ دور میں بھی کئی غیر ترقی یافتہ ممالک میں موجود ہیں۔

غلام دارانہ سماجوں، جہاں بہت سی نسلوں سے تعلق رکھنے والے عوام تھے جس میں صرف دو طرح کی ریاستیں موجود تھیں۔ اوّل: مختلف نسلی قبائل پر مشتمل ریاستیں جو عموماً کسی فاتح پر منحصر ہوتیں اور دوم: چھوٹی چھوٹی شہری ریاستیں۔اس قسم کی ریاستوں کے حالات میں قومی شعور بنیادی کردار و اہمیت کا حامل نہیں تھا بلکہ قومی شعور کی جگہ کسی مخصوص ریاست کی شہریت کا تصور جاں گزیں تھا۔ مثال کے طور پر اینگلز نے روم کی شہریت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا کہ یہ شہریت قومیت پر مشتمل نہ تھی بلکہ قومیت کی عدم موجودگی کا اظہار تھی (کارل مارکس، فریڈرک اینگلز، مجموعہ تصانیف جلد 27، صفحہ 147)

انسانی سماج کی بعد میں ہونے والی ترقی میں غلامی کے دور کے آخر اور جاگیردارانہ عہد میں انسانوں کی نئی قسم کی برادری قومیت وجود میں آئی۔قومیت خانوادے کے برعکس خونی رشتوں پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ مشترکہ علاقے، زبان اور ثقافت پر مبنی تھی۔ان ادوار میں قومیت لوگوں کی کافی مستحکم برادری نہیں تھی۔

چونکہ غلامی اور جاگیردارانہ رشتوں پر مبنی سماج ایک ایسی معاشی برادری کو پیدا نہیں کرسکتے تھے جو پورے کے پورے ممالک پر محیط ہو اور اس شرط کے بغیر انسانوں کے درمیان قریبی اور مستحکم تعلقات کا قیام ممکن نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کے سماج میں اور جاگیرداری کے تحت معاشی منڈیاں اور تبادلہ اجناس موجود تھا لیکن یہ محدود اور مقامی نوعیت کا تھا اور اقتصادی اور سیاسی انتشار کو ختم نہیں کرسکتا تھا۔

سرمایہ داری کے فروغ کے ساتھ ساتھ معاشی عدم اتحاد بتدریج ختم ہوگیا اور ایک واحد منڈی نمودار ہوئی جس کے نتیجے میں قومیتیں قوموں میں بدل گئیں۔

لینن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ قومیں بورژوا عہد میں سماجی نشوونما کی ایک ناگزیر شرط ہیں۔قومیت کی طرح ایک قوم بھی مشترکہ[1] علاقے، زبان اور ثقافت جیسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں لینن کے مطابق عمیق ترین معاشی عوامل نے قوم کو استحکام عطا کیا۔معاشی زندگی کا اشتراک ایک قوم کی اہم خصوصیت ہوتا ہے۔معیشت اور معاشی روابط وہ عوامل ہیں جو ایک علاقے کے رہنے والے اور مشترکہ زبان رکھنے والے افراد کو قوم کی شکل دیتے ہیں۔

اس طرح قوموں کی تشکیل کے دور میں قومی سوال پیدا ہوا۔ یعنی اس دور میں جب جاگیردارانہ پیداواری تعلقات تباہ ہوئے اور ان تعلقات کی جگہ سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات نے لے لی۔قومی سوال کی ماہیت کسی مخصوص ملک کی سماجی ترقی کے مخصوص دور سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہ اس امر پر انحصار کرتی ہے کہ ملک سماجی ترقی کے کس دور میں ہے اور قومی آزادی کے انقلاب کے دوران کون سے سماجی مسائل حل کر رہا ہے۔

یاد رہے کہ یورپی نوآبادیاتی قبضوں کے دوران ایشیاء اور افریقہ کے ممالک میں قومی سوال موجود نہیں تھا۔ اگرچہ فطری طور پر یورپی نوآبادکاروں اور مفتوحہ نوآبادیوں کے مابین شدید طبقاتی جدوجہد و تضادات موجود تھے۔مگر ان تضادات کا واضح قومی رنگ نہیں تھا۔ بہت سے ملکوں کے عوام کے قومیت کے جذبے نے ترقی یافتہ شکل اختیار نہیں کی تھی۔ جیسا کہ افریقہ کے اُمور کے ماہر موریس فورس نے لکھا کہ افریقہ میں نسلی اتحاد کی نسبت جغرافیائی اتحاد بہت زیادہ تھا۔

جاگیردارانہ عہد میں جب زمین اور علاقے منتشر یعنی انتشار کی حالت میں ہوتے ہیں

تو ایک ہی نسلی آبادی کی صورت میں بھی قومی شعور بنیادی کردار کا حامل نہیں ہو پاتا۔ ایشیاء اور افریقہ کے ممالک میں قومی سوال پہلی دفعہ ان ملکوں کے عوام کی قومی آزادی کی جدوجہد کے دوران سامنے آیا۔ اس دور میں قومی سوال نوآبادیاتی سوال کا اہم عنصر بھی بنا اور یہ عنصر نوآبادیاتی طاقتوں اور نوآبادیوں کے درمیان باہمی تعلقات میں بنیادی تضاد بن کر اُبھرا اور مجموعی طبقاتی جدوجہد کا ایک جزو بن گیا۔ تاہم دوسری عالمی جنگ کے بعد یورپی نوآبادیاتی نظام کی تباہی اور ایشیاء و افریقہ میں نئی اور سیاسی طور پر آزاد ریاستوں کے قیام سے قومی سوال بعض نئی خصوصیات و عوامل پر مبنی کردار کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور آزادی حاصل کرنے کے بعد جدید نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد سیاسی آزادی کی مضبوطی اور معاشی انحصار کے خاتمے کی جدوجہد قومی سوال کو وسعت دیتے ہوئے اپنی سابقہ نوآبادیاتی طاقت کے علاوہ دوسرے سامراجی ممالک اور نئی ریاستوں کے اندر مختلف قومی و قومیتی گروپوں کے ساتھ تعلقات کے مسائل پیدا کرتی ہے۔ اس طرح مجموعی طبقاتی مسئلے و جدوجہد کے اندر قومی سوال کی اہمیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔

قوم کیا ہے؟

مارکسی سماجی علوم و سائنس میں سٹالن کی پیش کردہ قوم کی تعریف ایک مستند تعبیر و تشریح کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ جس کے مطابق قوم:

''ایک ایسا پائیدار انسانی گروہ ہے جو زبان، علاقے، معاشی زندگی اور نفسیاتی ساخت کے اشتراک کی بنیاد پر ایک طویل تاریخی عمل کے نتیجے میں پروان چڑھتا ہے اور مشترکہ ثقافت کا حامل بھی ہوتا ہے۔''

تاہم اس تعریف میں نسل Race شامل نہیں ہے۔ لینن اور سٹالن کے نزدیک قوم کا ارتقاء دراصل بورژوا (سرمایہ دارانہ) ترقی کا ایک مظہر ہے۔ جبکہ قومیت غلام دارانہ اور جاگیری نظاموں میں وجود رکھتی ہیں۔ مشہور محقق و عالم گنکو فسکی کے مطابق ہمارے علاقے پر برطانوی تسلط کے دوران ہی بنگالی، پنجابی، پشتون اور بلوچ جاگیردارانہ قومیت کا روپ دھار چکے تھے۔

اگرچہ قوم یا قومیت کی مارکسی تعریف

میں ایک مخصوص زبان کو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ بلوچی (جو کہ ایک ہند ایرانی زبان ہے) اور براہوی (جو کہ ایک دراوڑی زبان ہے) دونوں زبانوں کے بولنے والے کس طرح ایک بلوچ قومیت کی تشکیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے سوالات ہماری دیگر قومیتوں کے ضمن میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال جاگیری معاشرے میں پیداواری قوتوں کی نشوونما و ترقی کی وجہ سے سرمایہ داری نظام نے جنم لیا۔ لینن نے لکھا کہ:

''قومی رشتوں کا قیام بورژوا (سرمایہ دارانہ) رشتوں کے قیام کے علاوہ کچھ نہیں اور سماجی ارتقاء کے بورژوا عہد میں قومیں ناگزیر پیداوار ہیں۔ ناگزیر شکل ہے۔''

دراصل سرمایہ دارانہ معاشی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ جاگیردارانہ قومیت بورژوا قوم میں بدلنا شروع ہوتی ہے۔ جیسے جیسے سرمایہ دارانہ تعلقات مضبوط ہوتے ہیں نئے سماجی طبقات وجود میں آتے ہیں۔ جب جاگیری قومیت کے اندر بورژوا اور پرولتاری دو بنیادی طبقات سرمایہ اور صنعتی مزدور نشوونما پاتے ہیں تب بورژوا قوم اُبھرتی ہے اور ایسا عمل اس وقت بھی ہوتا ہے جب قبل از سرمایہ داری کے تعلقات پیداوار کی بعض باقیات کا وجود برقرار رہتا ہے۔

یعنی جوں جوں سرمایہ دارانہ تعلقات بڑھتے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اقتصادی زندگی کا اشتراک وسیع اور مستحکم ہوتا ہے اور آخرکار قومی علاقے کے انفرادی اور الگ حصوں کے مابین رابطے باقاعدہ اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس عمل کے ساتھ ہی مختلف علاقوں میں معاشی ترقی کی ناہمواری اور بڑے بڑے شہروں کے اُبھرنے سے ملک کے اندر مختلف علاقوں میں آبادی کی نقل مکانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے سبب الگ الگ بولیوں اور زبانوں کے مابین فرق کم ہونے لگتا ہے۔ معاشی و سیاسی ارتکاز کی وجہ سے مختلف بولیاں ایک مشترکہ زبان میں مرتکز ہو جاتی ہیں۔ جاگیردارانہ قومیت کی زبان بورژوا قوم کی زبان میں بدل جاتی ہے۔ اگرچہ مختلف علاقوں میں اقتصادی و ثقافتی ارتقاء شدید طور پر غیر ہموار ہوتا ہے اور زبانوں، بولیوں میں امتیاز باقی بھی رہتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ داری نظاموں میں شہر اور دیہات کے مابین گہری خلیج حائل رہتی ہے۔ اور اس خلیج کے باوجود ادب کی ترقی میں جو قومی و لسانی معیار مرتب

ہوتے ہیں وہ مقامی زبانوں کے ارتقاء پر اپنا مخصوص اثر ڈالتے ہیں۔ تاہم ان رشتوں میں جاگیرداری مخالف اور ترقی پسند رجحان کے ساتھ ساتھ قومی وقومیتی تنگ نظری، تعصب ونسلی برتری جیسے عوام دشمن رجحانات بھی ہوتے ہیں جو سرمایہ دار (بورژوا) و جاگیری استحصالی طبقے کی جارحانہ قوم وقومیت پرستی اور جبر وتسلط کے بنیادی رجحانات کی پیداوار ہیں۔

نسل کیا ہے؟

قوموں اور قومیتوں کونسلوں کے ساتھ خلط ملط نہیں کر دینا چاہیے۔ نسل امتیاز کی خصوصیات بعض حیاتیاتی خصائص کے مطابق انسانوں کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ مثلاً جلد کی رنگت ، آنکھوں کی شکل وغیرہ۔ ان خصوصیات کے مطابق انسان کی تین بنیادی نسلیں وجود رکھتی ہیں: یعنی یورپی، منگول اور نیگرو نسل۔

قومی سوال اور پاکستانی ریاست:

تاریخی طور پر پاکستان کے قیام کی بنیاد 23 مارچ 1940ء کی منظور کردہ قرارداد میں رکھی گئی جو لاہور میں مسلم لیگ کے جلسے میں شیرِ بنگال مولوی اے کے فضل الحق نے پیش کی تھی ۔ اس قرارداد میں برطانوی ہند کی مختلف وحدتوں کی خود اختیاری کے معیار کوتسلیم کرتے ہوئے کہا گیا کہ انڈیا کے مشرق اور شمال مغربی خطوں میں ایسی مسلم ریاستیں تشکیل دی جائیں جو اپنے بنانے والے عناصر کوخودمختاری اور حاکمیت کی ضمانت دیں۔

اس کے علاوہ یہاں اس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ قیام پاکستان میں سرگرم ترین حصہ بنگالیوں نے ڈالا۔ 1946ء میں بنگال اور پنجاب میں انتخابات میں مسلم لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل کی ۔ یاد رہے کہ قرار داد پاکستان پیش کرنے والا بھی بنگالی رہنما مولوی فضل الحق تھا۔ جبکہ سب سے پہلے سندھ کی اسمبلی میں پاکستان کی حمایت میں جی ایم سیّد نے قرارداد پیش کی تھی اس طرح ان تین صوبوں کی اسمبلیوں نے پاکستان کے قیام میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ صوبہ سرحد میں 1947ء میں کانگریس کے اتحادی خدائی خدمت گار کے لیڈر ڈاکٹر خان کی حکومت تھی جسے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی برطرف کر دیا گیا تھا اور جہاں حکومتی نگرانی میں ریفرینڈم کرایا گیا اور جیسا کہ ایسے ریفرینڈموں میں ہوتا تھا۔ نتیجہ پاکستانی حکومت کی خواہشات کے مطابق نکلا۔ خدائی خدمت گاروں اور پشتون قومیت پرستوں نے اس ریفرینڈم کا بائیکاٹ کیا اور عرصے تک اس ریفرینڈم کے خلاف آواز بھی اُٹھاتے رہے۔ لیکن انہیں سنا نہ گیا اور نہ ہی ان کے احتجاج پر کوئی توجہ دی گئی۔

جبکہ اس وقت بلوچستان کو صوبائی حیثیت حاصل نہیں تھی ۔ بلوچستان کو صوبائی درجہ 1970ء میں ملا۔ اس کا بڑا علاقہ ریاست قلات کہلاتا تھا۔ جس کے خان نے 1948ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے پاکستان میں شمولیت کے معاہدے پر دستخط کیے تھے ۔ بعد ازاں خان قلات کے بھائی نے قلات کی آزادی کے لیے مسلح جدوجہد بھی کی اور فوج کے ساتھ جھڑپوں کے بعد اس نے افغانستان میں پناہ لی۔ خان قلات کو بھی خاصا عرصہ پاکستانی جیلوں میں گزارنا پڑا۔

بلوچستان زیادہ تر قبائلی سرداروں اور قبائلی نظام کے تحت تھا۔ 75 کے لگ بھگ سرداروں میں 72 سردار تو مرکزی حکومت کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ تاہم تین سردار مرکزی حکومت کے ساتھ اور زیادہ خودمختاری کے حصول کے لیے ماضی میں خاصا سرگرم کردار ادا کرتے ہے۔ تاہم انکی اگلی نسل یعنی انکی اولادوں نے اپنے بزرگوں سے مختلف راستہ اختیار کیا اور صوبائی و مرکزی حکومتوں میں بھی وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہے۔ جبکہ 1973ء میں جب بھٹو حکومت نے مینگل حکومت کو برطرف کیا اور یہاں فوجی کارروائی شروع کی تو اس وقت نواب اکبر بگٹی بلوچستان کا گورنر تھا جس کے بعد خان آف قلات کو یہاں کا گورنر بنایا گیا۔

بہر حال قومیتی بنیادوں پر مندرجہ بالا صوبوں یا وحدتوں کی پاکستان میں شمولیت اس ریاست کے کثیر القومیتی ریاست ہونے کا واضح ثبوت ہے اور نہ صرف یہ کہ ہماری پاکستانی ریاست کثیر القومیتی ہے بلکہ ہمارے تمام تر صوبے بھی واضح طور پر کثیر القومی وکثیر القومیتی ہیں ۔ تاہم مرکزی و صوبائی سطحوں پر بالا دست حکمران گروہوں کی کھلی مخاصمت ، مختلف بنیادی اُمور پر عدم اتفاق اور بعض اوقات انکے مابین اتفاق و مفاہمت اور مرکزی وصوبائی اقتدار میں شراکت جیسے عوامل ہماری تمام تر تاریخ میں نظر آتے ہیں ۔ ترقی پذیر تیسری دنیا کے بعض دیگر کثیر القومی ممالک کی طرح (مثلاً برما، بھارت، ایتھوپیا و دیگر کے) ہمارے ملک کی پچھلی پون صدی کی تاریخ میں ہمارا ملک بھی مختلف النوع عوامل کا شکار رہا۔ جن میں ہمارا نو آبادیاتی ورثہ، غربت، جہالت، پسماندگی، ماقبل سرمایہ داری نظاموں کی باقیات یعنی جاگیری اور قبائلی نظاموں کے مضبوط اثر کی موجودگی جیسے عوامل نے بڑے منفی اثرات مرتبہ

کیے اگرچہ ہمارے چاروں صوبوں کو تاریخی ،قومیتی اور لسانی بنیادوں پر قائم سمجھا جاتا ہے۔مگر یہ ابتدا ہی سے کثیر القومیتی رہے ہیں اور گزشتہ پون صدی کے عرصے میں ان میں بھی خاصی مقداری و کیفیتی تبدیلیاں آچکی ہیں ۔ جن کا معروضی ادراک ہمارے تمام تر باشعور افراد کے لیے ضروری ہے۔ ہمارے بعض نام نہاد ترقی پسند حلقے جو علم و تحقیق سے خاصے دور دور ہیں ۔ اس ناگزیر ضرورت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ ہمارے ملک و قوم کو درپیش اکثر مسائل کا مناسب و بروقت ادراک نہیں کیا جاتا۔

یادرہے کہ 1947ء سے قبل قیام پاکستان کے حق میں انڈیا کی کمیونسٹ پارٹی نے قرارداد منظور کی تھی اور اپنے مسلم دانشوروں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ہدایت بھی کی تھی۔ معروف کمیونسٹ دانشور رؤف ملک اپنی کتاب ''سرخ سیاست'' میں لکھتے ہیں کہ ''تحریک پاکستان کی بنیادیں تو 1943ء سے 1946ء کے درمیان مضبوط ہوئیں اور اس میں کمیونسٹوں کی بیش بہا خدمات تھیں۔ہم نے نہ صرف دانشورانہ سطح پر کام کیا بلکہ مسلم لیگ کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی شریک ہوتے رہے۔'' خود سجاد ظہیر بطور ممبر سنٹرل کمیٹی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اس میں پیش پیش رہے۔'' سیّد سجاد ظہیر کا شمار ان اوّلین کامریڈوں میں ہوتا ہے جو مسلم اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں کے حق خودارادیت کی پالیسی کو پارٹی سے منوانے کے لیے سرگرم رہے ۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے پارٹی کو یہ بھی سمجھایا کہ مسلم کمیونسٹوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ مسلم لیگ کو عوامی پارٹی بنانے میں انہی مسلم کمیونسٹوں نے 1943ء سے 1946ء کے درمیان بہت کام کیا۔ دانیال لطیفی نے مسلم لیگ کا منشور لکھا وہ بھی انہی خدمات میں سے ایک تھا''۔ (کتاب کا صفحہ نمبر 118) یادرہے کہ دانیال لطیفی اپنے دور کے مشہور اور نمایاں اشتراکی دانشور تھے ۔ ساتھ ہی سجاد ظہیر نے 1944ء اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ '' مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان انڈیا کے مسلمانوں کے سیاسی شعور کی ترقی کا منطقی اظہار ہے۔'' (کامران اسد علی، سرخ سلام، صفحہ 44) ۔

انہوں نے مسلم حق خود ارادیت کو پاکستان کے مقصد کو مسلم سیاسی جذبات کا برحق ، ترقی پسند اور مثبت اظہار قرار دیا۔مزید برآں سجاد ظہیر نے انڈین کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان رسالے ''قومی جنگ'' جو مارچ 1945ء میں شائع ہوا میں سندھی مسلم لیگ کے لیڈر جی ایم سیّد کی سرگرمیوں کو بھی سراہا۔

اسی سال سی پی آئی (انڈین کمیونسٹ پارٹی) نے اپنے مسلم ممبران کو 1946-1945ء کے انتخابات کے عمل میں مسلم لیگ کو آرگنائز کرنے کی ہدایت کی ۔ اور میاں افتخار الدین، دانیال لطیفی ، عطاءاللہ جہانیاں ،سی آر اسلم ، انیس ہاشمی، عبداللہ ملک اور بعض دیگر مسلم کمیونسٹ اپنی پارٹی کی ہدایت پر مسلم لیگ میں شامل ہوئے ۔ جنہوں نے برصغیر ہند کے مشرق و مغربی علاقوں میں مسلم عوام کی حق خودارادیت پر مبنی جدوجہد کو وسیع عوامی حلقوں کی حمایت حاصل کرانے ، بنگال پنجاب اور سندھ کی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کو جتوانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس ضمن میں ہمارے ملک کے سب سے بڑے مارکسی دانشور سیّد سبط حسن کی بعض تحریروں اور انٹرویوز کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔جن میں انہوں نے بڑے واضح انداز میں مسلم لیگ کی ہمارے علاقوں میں مضبوطی اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں انڈین کمیونسٹ پارٹی اور متعدد نمایاں اشتراکی دانشوروں کے اہم کردار کا ذکر بڑے واضح ، اچھے اور تفصیلی انداز میں کیا ہے۔

جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے ہمارے تمام تر صوبے کثیر القومی و کثیر القومیتی ہیں اور پانچوں صوبوں کی قوموں اور قومیتوں کا بڑا حصہ ہمارے ہمسایہ ملکوں میں بھی رہتا ہے۔ مثلاً قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان میں بھاری اکثریت بنگالیوں کی تھی جبکہ اسی طرح بنگالیوں کی بہت بڑی تعداد انڈین ریاست یعنی مغربی بنگال میں ہے۔پنجابی و سندھی بڑی تعداد میں بھارت میں ہیں۔ پشتونوں کی بڑی تعداد پختونخواہ کے علاوہ افغانستان میں مقیم ہے ۔ جبکہ بلوچستان کی آبادی اور رقبے کا وسیع و بڑا حصہ ایران میں بھی ہے۔ علاوہ ازیں سندھ میں بلوچستان کی نسبت زیادہ بلوچ آباد ہیں۔اور بلوچستان کے اندر بڑی پشتون پٹی ہے یہاں پشتون اکثریت کی وجہ سے ان علاقوں پر پشتون قومیت پرست وقتاً فوقتاً اپنا حق جتلاتے رہتے ہیں ۔ بلوچستان کی ریاست لس بیلہ اور کچھی میں بڑی تعداد میں سندھی آباد ہیں۔اسی طرح خیبر پختونخواہ کے متعدد اضلاع ہزارہ ، ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ میں پنجابیوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور بہت سے افراد دوسرے صوبوں میں جا کر مزدوری کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 12

سہ فریقی کانفرنس پاکستان میزبان

تحریر: یوسف انور

سہ فریقی کانفرنس پاکستان میزبان چین اور افغانستان مہمان بعد ازاں ملاقتی افغان وزیر خارجہ کی محمود خان اچکزئی، سراج الحق اور ایمل ولی خان سے خصوصی ملاقات کی آفتاب خان شیر پاؤ مدعو نہیں تھے ان کی شخصیت بہت اہمیت رکھتی ہے جبکہ علی وزیر اور محسن داوڑ نے اصولی موقف اختیار کرتے ہوئے شرکت نہیں کی ملاقتی کی پریس کانفرنس میں تحریک طالبان پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے لیے پاکستان کو دعوت دی یعنی دورے کا اصل مقصد یہی تھا کہ جو سلسلہ جنرل قمر باجوہ اور جنرل فیض حمید نے شروع کیا تھا اس کا دوبارہ آغاز ہو 2023 میں اب تک جو قتل عام مذہبی دہشت گردوں نے پختونخوا میں کیا اس کو بھول جائیں اور طالبان کے لیے ان کے پسندیدہ علاقے فوج اور پولیس سے خالی کئے جائیں۔

چین کو اپنے شہریوں کی زندگی کی ضمانت چاہئے سوال یہ ہے کہ کیا افغان طالبان کی حکومت استطاعت رکھتے ہیں کہ وہ تحریک طالبان پاکستان کو امن کے لیے پابند کر دیں دوسرا بڑا مسئلہ داعش اور القاعدہ جیسی دہشت گرد تنظیمیں ہیں کیا ان کے بارے میں کوئی لائحہ عمل طے ہوا پاکستان کی افغان پالیسی ملٹری سٹیبلشمنٹ کے ماتحت ہے سول حکومت کوئی بھی ہو صرف پبلک ریلیشنز کے دکھاوے کے لیے ہوتی ہیں کیا معاہدے ہوئے مطالبہ ہے کہ اس کو پبلک کیا جائے خصوصاً پختونخوا اور بلوچستان کے لیے مذہبی دہشت گردی سب سے اہم ترین مسئلہ ہے اور یقیناً ان دونوں صوبوں کے عوام میں تشویش اور شک وشبہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

یاد رکھیں آئندہ کی صورتحال کی تمام تر ذمہ داری موجودہ سیاسی حکومت پر عائد ہوتی ہے ماضی میں کوئی بھی معاہدہ کامیاب نہیں ہوا خواہ وہ جنرل مشرف کے دور میں ہوا یا سول حکومت کے دور میں۔

بقیہ: ہائی گیٹ قبرستان

سے ایک انقلابی مدفون ہیں۔جن میں جنوبی افریقہ کی کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین ڈاکٹر محمد یوسف ڈوڈو، عراقی کمیونسٹ پارٹی کے سعد سعدی علی گردش انقلابی نزہد احمد، عزیز آغا، کرس ہارمن جیسے آدرش وادی شامل ہیں۔ایک حیرت انگیز بات یہ بھی ہے کہ مارکس کا قریب ترین مدفون پڑوسی ایک پاکستانی کرامت حسین (ستارہ قائداعظم) ہے یہ کون ہے اس بارے کچھ معلومات میسر نہیں۔

جہاں مارکس اور اس کے نظریات سے محبت کا اظہار 19ویں صدی کے اختتام سے لیکر پوری 20ویں صدی میں بھی تسلسل سے جاری ہے اس کی یادگار پر ہر رکھے تازہ پھول اس کا ثبوت ہے وہیں مارکس اور مارکس کے نظریات سے نفرت کرنے والے دائیں بازو کے انتہا پسند اور فاشٹ گروہ مارکس کی یادگار کو مسلسل حملوں کی زد میں رکھے ہوئے ہیں۔کیا عجب اتفاق ہے کہ مارکس اور مارکس کے نظریات سے نفرت کے ضمن میں نسل پرست، فاشٹ، دائیں بازو کے انتہا پسند، مذہبی انتہا پسند، سرمایہ پرست قوتیں اور لبرلز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

مارکس کی یادگار پر پہلا حملہ 1960ء میں پائپ بم کے ذریعے کیا گیا پھر 1970ء میں یادگار دھماکہ سے اُڑانے کی کوشش کی گئی جس کے نتیجے میں مجسمہ اور یادگار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ یادگار پر ''ساوستکا'' (ہٹلر کا نشان) پینٹ کیا گیا، اس کے بعد نیا مجسمہ نصب کیا گیا۔2019ء کے ماہ فروری میں دو مرتبہ یادگار کو دائیں بازو کے انتہا پسندوں نے نقصان پہنچایا۔ کتبہ پر کندہ عبارت کو ہتھوڑا سے توڑا گیا، یادگار پر ایک بار پھر نفرت انگیز نعرے تحریر کئے گئے۔

مجھے پچھلے دنوں میں کچھ دن قیام کے دوران مارکس کی یادگار پر جانے کا موقعہ ملا۔ میرے ہمراہ فیصل ایدھی بھی تھے۔ جب یادگار پہنچے تو دیکھا کہ تازہ پھولوں کا ایک بڑا گل دستہ ویتنام کے ایک ادارے کے کارکنوں کی جانب سے رکھا گیا تھا۔ہم کافی دیر وہاں موجود رہے، کئی ایک کمیونسٹ رہنماؤں کی قبروں پر بھی گئے۔ اسی دوران ایک نوجوان کیوبن جوڑا اپنے دو بچوں کے ہمراہ پھول لئے پہنچا تھا اور دیر تک سر جھکائے احتراماً خاموش کھڑے نظر آئے۔ میں نے وہاں مختلف بودوباش اور نسلوں کے درجنوں وفود کو یادگار پر آتے اور محبوب انقلابی فلسفی کو خراج تحسین پیش کرتے دیکھا۔

جاوید اختر اور بارڈر کے دونوں جانب کے اشرافیہ

عاصم جان وردگ

جاوید اختر عرصے سے ہندستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت کی سیاسی ہندوازم (ہندتوا) کی پالیسی کی کھلم کھلا ہر سٹیج سے مخالفت کرتے آئے ہیں۔ یہ ان کا پرنسپل سٹینڈ رہا ہے کہ مذہب کا سیاسی استعمال نہیں ہونا چاہیے، چاہے کوئی بھی مذہب ہو، اور وہ سیاست میں بھارتی آئین پر عمل داری پر اصرار کرتے ہیں جس کی بنیاد سیکولرازم پر ہے اور جو ریاست اور شہری، اور شہری اور شہری کے درمیان مذہب کے بجائے سوشل کانٹریکٹ کے رشتہ پر قائم ہے۔

جاوید صاحب ہندوستان کے اپنے جیسے بہت سارے سیکولر، ڈیموکریٹک، پروگریسو و سوشلسٹ ہندستانیوں کی طرح ترقی پسندی، سماجی عدل و سیاسی برابری کی تحریک کا حصہ ہیں۔ یہ سول سوسائٹی بی جے پی حکومت کی ہندوستانی مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے خلاف امتیازی قوانین بنانے کی نڈر انداز میں مخالفت کرتے آئی ہے۔

پاکستانی مین سٹریم ادیبوں و پبلک دانشوروں میں، چند مستثنیات کو چھوڑ کر، ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں جو پبلک سٹیج پر ریاستی اداروں کی ہندوستان کے خلاف نفرت پھیلانے کے اقدامات اور ان کی سرپرستی میں پبلک لائف میں زبردستی سیاسی اسلام گھسیٹرنے اور سماج میں مذہبی تعصّبات پھیلانے مخالفت کی ہمت کرتے ہوں۔

بمبئی حملہ، کشمیر میں دہائیوں سے جاری پاکستانی ریاستی پشت پناہی سے جاری دراندازی، سکھ علیحدگی پسندی کی تحریک کی مدد، داؤد ابراہیم کا معاملہ، واجپائی کے 1999 میں مینار پاکستان وزٹ اور لاہور ڈیکلریشن کے بعد یک طرفہ طور پر کارگل پر فوجی حملہ صرف کچھ مثالیں ہیں جن میں پاکستانی اسٹیبلشمنٹ براہ راست ملوث رہی ہے۔

کیا کسی مین سٹریم پاکستانی ادیب، دانشور یا سیاسی پارٹی نے یہ جرآت کی کہ ایسے کسی کردار کا نام پبلک فورم پر لے کر اس کے ان اقدامات کی مخالفت کرے اور کہے "Not in our name"۔ صوبہ سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت دہائیوں سے قائم ہے اور یہ خود کو لیفٹ لبرل کہتی ہے۔ سندھ میں دہائیوں سے ہندو لڑکیوں کو مسلم لڑکوں سے شادی کے نام پر زبردستی مسلمان کیا جاتا ہے، اسی پیپلز پارٹی کی حکومت کی ناک کے تلے۔ کیا اس نے اس مذہبی جبر کو روکنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش کی؟

پاکستان کے اکثریتی پڑھے لکھے افراد کی بھی اکثریت کو ہندوستان میں پچھلے دس پندرہ سال سے جاری نہایت زوردار ہندوتوا تحریک کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے جس نے 2014 کے مرکزی الیکشن جیتنے کے بعد سے ہندستان کی پروگریسو اور سیکولر میراث کو وجودی کا خطرہ میں ڈال دیا ہے، اور جو سماج کو ون پارٹی سرمایہ دارانہ مذہبی فاشزم اور زینوفوبیا کی طرف تیزی سے لے جا رہی ہے۔ انہیں یہ بھی احساس نہیں کہ اس ہندتوا کے بڑھنے میں پاکستانی ریاست نے ہر موقع پر آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا ہے۔

یہ سلسلہ 1947 سے جاری ہے جس میں[1] ایک قلیل پاکستانی اشرافیہ پرت نے یہاں پاکستان میں اپنی بالادستی و عیاشی کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے بیرونی دشمن کا ہوا کھڑا کیا، ہندو نفرت کا پروپیگنڈہ قائم رکھا ہے اور ہندوستان کے غریب مسلمانوں کو پہلے دن سے لے کر آج تک آنے والے ہر لیڈر، ہر شکل کی وردی، بے وردی نوکر شاہی اور سرمایہ دار پارٹیوں کے گٹھ جوڑ پر حکمران جتھے نے اپنے مفاد کے لیے مسلسل قربانی کا بکرا بنائے رکھا۔

آئی ایس پی آر و ہر آرمی چیف کے بیانات، سپریم کورٹ کے ایک چیف جسٹس ثاقب نثار کی ہندوؤں کے خلاف پبلک میں ہرزہ سرائی، پاکستانی سکول سلیبس کیا کتابوں میں سرکار کی طرف سے ڈالی ہندو نفرت، سرکاری چینلز پر ہندو کے خلاف تعصب پیدا کرنے والے، سندھ میں ہندو اقلیت پر جبر کے آئے دن واقعات، پنجاب میں عیسائیوں کے خلاف ایسے ہی واقعات، مولویوں اور مذہبی انتہا پسند تنظیموں کی ریاستی پشت پناہی میں ہندو اور ہندوستان مخالف اشتعال انگریز تقاریر و رسائل و اخبارات میں تحریریں، اسلام آباد کی مین شاہراہ کا نام بدل کر سری نگر ہائی وے رکھنا، الیکشن کمپین میں سٹریم سیاسی لیڈروں کی الیکشن تقریروں میں لال قلعہ پر جھنڈا لہرانے کے دعوے۔ کتنی مثالیں دیں جن میں یہ مفاد پرست اشرافیہ اپنے طبقاتی و اداراتی مفادات کے لئے ایسے اقدام لیتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ ہندوستانی سماج میں وہاں کے مسلمانوں کی شہریت پر سوالیہ نشان پیدا کرتے ہے اور ہندستان کے ہندو شدت پسندوں کو تقویت دیتے ہیں۔

پر جب پاکستان کی اس متعصب وقبضہ گیر اشرافیہ کو اپنے عوام کی حالت زار کی رتی بھر فکر نہیں اور اس کی ساری حاکمیت وعیاشی تو اپنی نچلے طبقے کو غلام رکھنے، سماج میں فرقہ وارانہ گینگز تیار کر کے عوام میں کشت و خون کروانے پر قائم ہے، تو اسے ہندوستان کے مسلمان کے مستقبل کی کیا فکر۔

اس صورتحال میں یہاں کے اکثریتی مین سٹریم مڈل واپر کلاسیے جعلی لبرلز میں اتنی کمر کی ہڈی تو نہیں کہ اپنے سماج میں ریاستی پشت پناہی سے پھیلائی مذہبی نفرت کے ناسور کے خلاف اس کے سپانسر کا نام لے کر مخالفت کریں۔ اور ہمسایہ ممالک کے خلاف بھی جعلی حب الوطنی کے پردے تلے ڈائریکٹ اور سماج میں بنائی پراکسی تنظیموں کے ذریعہ پھیلائی جانے والی نفرت کی کھل کر مخالفت کریں۔ یہ تو اتنے جوگے نہیں کہ انگریز سے دیش کی آزادی کی تحریک کے لازوال سپوت اور اسی مٹی کے جنمی شہید بھگت سنگھ کو لاہور کی جس جیل میں پھانسی ملی، اس جیل سے متصل روڈ کو اس کے نام دے سکیں۔

تو میرے خیال میں ایسے حال میں میڈیا سے مال بنانے والے جعلی پاکستانی لبرلز کے پاس جاوید اختر صاحب کے فیض امن میلہ میں ایک سوال کے جواب میں بمبئی حملہ پر کچھ شکایت نما کمنٹ پر جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر ہو، ہا کرنے کا کوئی ہائی مورل گراؤنڈ نہیں ہے۔

میں پچھلے 2 سال سے گہرائی سے بھارتی سیاست کو دیکھ رہا ہوں۔ وہاں کی جاندار سول سوسائٹی مذکورہ فاشزم کے خلاف بڑی دلیری سے مزاحمت کر رہی ہے، اس میں وکیل بھی ہیں، ٹریڈ یونینسٹ اور آدھی واسیوں کے اپنی تاریخی زمین پر حقوق کو بچانے والی 'سدھا بھاردواج' بھی ہے جسے ریاست نے غداری کا الزام لگا کر بغیر کسی پیشی 3 سال تک جیل میں رکھا، لیفٹ لبرل، سوشلسٹ، کمیونسٹ سیاسی پارٹیاں بھی ہیں، کمیونسٹ سٹوڈنٹ یونینز بھی ہیں، سیکولرسٹ، سوشلسٹ اور دستور پسند سیاست دان بھی ہیں جیسے ششی تھرور، جگنیش میوانی، کنہیہ کمار، یوگندر یادیو، تاریخ اور پولیٹیکل سائنس سے وابستہ اکیڈمک جیسے ڈاکٹر عرفان حبیب، ڈاکٹر رومیلا تھاپڑ، رام چندر گوہا، پرتاب بھانو مہتا بھی ہیں جن میں سے کئی نے مسلم مخالف قانون کے نفاذ پر گرفتاری تک دی، فلم ایکٹرز سوارا بھاسکر، سشانت سنگھ،

پرکاش راج بھی ہیں جنہوں نے اپنے فلمی کیریر کو داؤ پر لگایا پر میدان سے پیچھے نہیں ہٹے، ورون گرور جیسے مصنف و شاعر بھی، راویش کمار، محترمہ رعنا ایوب، 'دی وائر' چینل کی عارفہ خانم شیروانی، 'ستیا ہندی' چینل کے اشوتوش گپتا اور ان کی پوری ٹیم جن سب نے طرح طرح کی ہراسانی کے باوجود میدان نہیں چھوڑا، "دیش بھگت" چینل والے اکاش بینرجی جیسے صحافی بھی، سٹینڈ اپ کامیڈین کنال کامرہ، آکر پٹیل جیسے ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کے ہومن رائیٹس ایکٹوسٹس بھی جنہوں نے اینفورسمنٹ ڈائریکٹوریٹ کی ریڈز بھی سہی اور ملک سے باہر جانے پر پابندی بھی۔

یہ پچھلے 8 سال میں ہندتوا کی حکومتی طاقت اور اس کے 'سنگھ پریوار' کے 'سٹارم ٹروپرز' کی دھمکیوں، حملوں، غداری کے الزامات ومقدمات، جیلیں، انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ کی ریڈز اور اکثریتی میڈیا کے فاشزم کے سپورٹ اور پاکستانی فوج، مین سٹریم سیاسی لیڈران اور مذہبی فوجی پراکسیوں کے ہندو مخالف نعروں اور ہندوتوا کی آگ کو ہوا فراہم کرنے کے باوجود، بھرپور مزاحمت دے رہے ہیں۔

پاکستان کی موجودہ صورت حال میں اصلی لبرلز کا، انقلابی لیفٹ کا، محنت کش طبقہ، مرکز کے جبر کا شکار چھوٹی قوموں کی قوم دوست تحریکوں کا اولین ٹاسک یہ ہے کہ اشرافیہ کی نفرت انگیزی وتعصّبانہ جعلی حُب الوطنی کا پردہ چاک کریں، اس کی کرپشن، وسائل و طاقت پر قبضہ اور سرمایہ دارانہ استحصال و جبر کے خلاف مزاحمت دے کر عوامی جمہوریت اور سماجی انصاف پر مبنی نظام قائم کریں۔

ہندستان کے ترقی پسند، چاہے وہ مذہبی لحاظ سے مسلم، ہندو، وسیکولر وایگنوسٹک ہوں، اپنے سماج میں مذہبی انتہاپسندی اور ریاستی جبر و مطلق العنانیت فاشزم کے خلاف نہایت دلیری سے ایک بڑی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ دونوں دیشوں کے ترقی پسندوں کو اپنے اپنے حکمران طبقات کے خلاف یہ لڑائی علیحدہ علیحدہ بھی لڑنی ہے اور اپنی طاقتوں کو مجتمع کر کے مشترکہ بھی، جیسے جاوید اختر جیسے نڈر لوگ کر رہے ہیں۔

ہائی گیٹ قبرستان کا سب سے مقبول باسی

ناصر منصور

ہائی گیٹ لندن کے قبرستان میں ایک لاکھ ستر ہزار سے زائد معلوم اور نامعلوم افراد مدفون ہیں لیکن اس قبرستان کا ایک مکیں ایسا بھی ہے جس کی قبر پر ہمیشہ تازہ پھول رکھے ملتے ہیں۔ کارل مارکس جسے پیار سے مور بھی کہا جاتا تھا وہ ہائی گیٹ کا سب سے مقبول مکیں ہے جس کی یادگار کے سامنے ہر روز سینکڑوں اور بعض موقعوں پر تو ہزاروں چاہنے والے گل ہائے عقیدت پیش کرنے حاضر ہوتے ہیں۔

علم و عمل کی دنیا کی اس عظیم ہستی کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں براعظم یورپ، شمالی و جنوبی امریکہ، افریقہ اور ایشیا پیسفک سے تعلق رکھنے والے انقلابی شامل ہوتے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق ہر سال ایک لاکھ افراد اس قبرستان میں آسودہ خاک یکتا انقلابی فلسفی کی یادگار کو وزٹ کرتے ہیں۔

انسانی تاریخ کے کئی ایک نامور کرداروں اس اساتیری حیثیت کے حامل ذہن سے اظہار محبت کے لئے اس کی آخری آرام گاہ پر وفا کا قرض چکانے آئے۔ ایک مہا انقلابی کو ایک اور عظیم انقلابی بھی انقلابی سلام کرنے پہنچا وہ لینن تھا جو 1903ء میں لندن میں منعقدہ روسی سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کانگریس کے اختتام پر دیگر روسی انقلابیوں کے ہمراہ مارکس کی قبر پر جمع ہونے والوں میں شامل تھا۔

مارکس کی یادگار پر عمومی طور پر پیرس کمیون کے دن، یکم مئی اور مارکس کے یوم پیدائش پر ہزاروں انقلابی آتے ہیں اور انسانی تاریخ کے عظیم فلسفی اور انقلابی کو یاد کرتے ہیں۔ عرصہ ہوا ہائی گیٹ قبرستان میں داخلہ کے لئے ساڑھے چار پاؤنڈ فی فرد فیس عائد کر دی گئی ہے۔ اور ایک اندازے کے مطابق تقریباً پانچ لاکھ پاؤنڈ سالانہ داخلہ فیس کی مد میں جمع ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری نے مارکس کی قبر سے بھی کمائی کا ذریعہ ڈھونڈ نکالا۔

مارکس کی ساتھی جینی وان ویسٹ فیلن کا انتقال 1881ء میں اور مارکس کا انتقال 1883ء میں ہوا۔ دونوں کی تدفین جس مقام پر ہوئی وہیں مارکس کا نواسہ ہیری لانگیوٹ اور ملازمہ ہیلینا

ڈیموتھ بھی مدفون ہیں۔ خاندان کی جانب سے ایک مشترکہ کتبہ نصب کیا ہے جس پر مدفون کے نام کندہ ہیں۔ مارکس کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کانگریس میں مارکس کے شایان شان خصوصی یادگار تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی گئی، اسی سلسلے میں مارکس کے دوست اور جرمن ایس ڈی پی کے رہنما آگاسٹ بائبل نے ایک خط اینگلز کو یادگار کی تعمیر سے متعلق تحریر کیا اینگلز نے جواباً لکھا کہ مارکس کی قبر پر لگا کتبہ مور کے خاندان کو عزیز تھا اس لئے طے ہوا کہ جب مارکس کو نئے نمایاں مقام پر منتقل کیا جائے گا تو اس خاندانی کتبہ کو بھی نصب کیا جائے گا۔

قبرستان کے جس حصہ میں مارکس کا اصل مقام مدفون تھا وہ نمایاں مقام نہیں تھا اس پر ایسا وقت بھی آیا کہ دہائیوں یہ جگہ عدم توجہ کا شکار رہنے کی بنا پر اگنے والی جھاڑیوں نے قبر کو آنے والوں کی نظر سے مکمل طور پر اوجھل کر دیا تھا۔ لیکن 1923ء میں برطانوی کمیونسٹ پارٹی اور ورکرز (کمیونسٹ) پارٹی آف یو ایس اے کی کوششوں سے قبر کی جانب توجہ مبذول ہوئی اور 1954ء میں مارکس اور ان کے ساتھ دیگر مدفون افراد کو نئے اور نمایاں مقام پر دوبارہ منتقل کیا گیا اور 1956ء میں یادگار کی تعمیر مکمل ہوئی۔

اس یادگار کو لارنس بریڈ نے ڈیزائن کیا تھا اور اس کی نقاب کشائی 1956ء میں کمیونسٹ پارٹی آف گریٹ برطانیہ کے جنرل سکریٹری کامریڈ ہیری پولیٹ کی قیادت میں ایک تقریب میں کی گئی تھی پارٹی نے یادگار کی تعمیر کے لئے فنڈز فراہم کیے تھے۔ یادگار سنگ مرمر کے پیڈسٹل پر رکھے کانسی کے بنے مارکس کے ایک بڑے مجسمے پر مشتمل ہے۔ جہاں خاندانی کتبہ کے ساتھ ہی شہرہ آفاق تخلیق کمیونسٹ مینی فیسٹو کے آخری جملہ ”ورکرز آف آل لینڈز یونائیٹ“ کے علاوہ مارکس کے ”تھیسس آن فیور باخ“ میں تحریر قول فلسفیوں نے مختلف طریقوں سے دنیا کی تشریح کی ہے اصل کام اسے بدلنا ہے بھی کندہ ہے۔

مارکس کی یادگار کے اردگرد دنیا کے ایک

بقیہ صفحہ نمبر 20

مارکس ڈے
صفیہ حیات

آج دن ہے بہت ہی خاص
کہ جب طلوع آفتاب ہوا
تو
ایک باب در کھلا
حقیقت پسندی کا
پہلا پیامبر
کہ جس کی پرواز
جس کی کتاب
زمینی تھی
آسمانی نہ تھی
آج کے خاص دن کا
خاص جام
صرف
مارکس اور جینی کے نام
جو آدم بھی ہے حوا بھی
تو بھی ہے میں بھی ہوں
آوءورد کریں
اس زمینی حقائق و مسائل پہ لکھی کتاب کا
فرشتے ہیں جس کے
میں بھی
تو بھی
یہ کتاب نہیں صحیفہ ہے
ایک روشنی ہے
جسے بانٹنا ہے
مجھے بھی تجھے بھی

مزدوروں کی نذر
راحت سرحدی

میری پس ماندگی
غربت وسادگی
کی زبوں ناتواں انپتی کانپتی پشت پر
روز وشب
ہے ہنر کم نظر اہل زر
نو بہ نو اپنی آسائشوں کے لئے
کالے دھن سے کمائے ہوئے بوجھ کو
لاد کر جانور کی طرح
ہانکتے ہیں مجھے
آب و دانہ ہے اب
ذلتیں دھمکیاں ٹھوکریں گالیاں
آہ بھرتے تڑپتے ہوئے رات بھر
درد سے چاہے رونا پڑے گا مجھے
بوجھ تو پھر بھی ڈھونا پڑے گا مجھے
میرے زخموں میں خون بھر گیا ہے تو کیا
میری ماں کو دوا تو مل جائے گی
میری چمڑی اترتی ہے تو غم نہیں
میری بیٹی کی چادر تو سل جائے گی

ماہنامہ منشور منگوانے کیلئے
ان نمبرز پر رابطہ کریں
0333-4053162
0300-8231959
0300-6602548

میرا منشور
جاوید کامل آذر

میرا منشور ! مجھ کو جینا ہے
بن کے مزدور مجھ کو جینا ہے

کھردرے ہاتھ، پر شکن چہرہ
حُسنِ مغرور مجھ کو جینا ہے

ان اصولوں کی کوہ قامت سے
سر بلند طور مجھ کو جینا ہے

جبر کے ان مہیب اندھیروں میں
صاحبِ نور مجھ کو جینا ہے

کیوں ڈراتے ہو مجھ کو سولی سے
مثلِ منصور مجھ کو جینا ہے

تیرے لفظوں کے تیر سرکش سے
دلِ رنجور مجھ کو جینا ہے

تیرے لفظوں میں ڈوب کر آذر
جام مخمور مجھ کو جینا ہے

یوم ریا کاری

منتشر موسموں کی
یہ احتجاجی بارشیں
ریاستی بانجھ پن کا پتہ دیتی ہیں
پتھر اگلتی کھیتیاں
داغ داغ ادارے ہیں
معبدوں کی فصیلوں میں
آئینے کی وحشت ہے
تاجروں کا جتھہ ہے
بے سود سیاست ہے
تھکی ماندی عوام کی
بے سمت مسافت پر
علمدار سرنگوں
اور۔۔۔
قلمکار خاموش ہے
بس۔۔۔۔
اخبار کی سرخی ہے
بقیہ نہیں ملتا
کلر تصویر میں زنگ آلود اسلحہ ہے
بے چہرہ شباہتوں پر
بے شمار قتل ہیں
جانے والے وقتوں کے
آنے والی نسلوں کے
یہ۔۔۔ یوم ریا کاری ہے
یہ!
یہ یوم ریا کاری ہے۔۔۔

نظم ——— **حسین نوید**

عنوان ——— **یوم ریا کاری**

تبصرہ ——— **الیاس اسد**

حسین نوید بنیادی طور پر ترقی پسند سوچ کے حامل شاعر ہیں ان کے ذہنی اور فکری چشموں سے ایسے شاہکار پھوٹتے ہیں جنہیں بلاشبہ ہم ایک پر خلوص قلمکار کی مشاہداتی آنکھ جو منظر دیکھتی ہے اسے سینے کی بھٹی میں کندن بنا کر جب وہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں تو اس شہ پارے کا اثر دوچند ہو جاتا ھے۔ حسین نوید کی جدید نظم "یوم ریا کاری" کا موضوع ماورائی اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ جو جدیدیت اور مابعد جدیدیت سے ماورا اجتہادی افق تخلیق کرتی ہے جس کی جڑیں فطرت کی معلوم دنیا سے پیوستہ ہیں۔ حسین نوید کے گہرے مشاہدے دھرتی سے منسلک ہیں اور زمینی حقائق، اقدار، سماجی تناظرات فلسفہ طبعیات و مابعد الطبیعیات کی محاکاتی فضا نمودار ہوتی ہے۔ حسین نوید ان آفاق پر آگے بڑھ رہے ہیں جن سے وہ مانوس ہیں اور ان سے آگے نئے آفاق کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حسین نوید کی نظم میں سماج بنیادی قدر کی حیثیت رکھتا ھے۔ وسائل کی غیر مساوی تقسیم اور طبقاتی تفاوت غربت و افلاس کو جنم دیتے ہیں۔

سرمایہ داری نظام کے تحت ترسیل زر کے متضاد دائرے گردش میں ہیں۔ ایک دائرہ پر تعیش اور سہل طلب معیار زندگی تخلیق کرتا ہے اور دوسرا دائرہ بنیادی ضروریات کے حصول کے لئے جاں گسل حالات کا شکار ہے یہ آشوب ایسے لامتناہی سفر کو جنم دیتا ہے جس کی تگ و دو میں زندگی کی شام ہو جاتی ہے اور وحشت منزل لاحاصل ٹھہرتی ہے۔ حسین نوید کے ہاں سماجی و عمرانی شعور اوسط سطح سے بلند ہے جس میں پختگی بھی جھلکتی ہے۔ ان کی نظموں کا ایک مضبوط حوالہ ان کا فلسفیانہ شعور ہے۔ سماجی اور عمرانی شعور ان کی نظموں کا خاص موضوع ہے جو ان کے عمیق مشاہدے کی دلیل پیش کرتا ہے۔ حسین نوید اپنے اردگرد کے سیاسی وسماجی حالات و واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں، تجزیہ کرتے ہیں اور اسے خوبصورتی سے اچھوتے انداز میں نظم کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔ اپنے مشاہداتی وجدان کو جس طرح حسین نوید نے اپنی نظم "یوم ریا کاری" میں برتا ہے ان جیسی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ان کی نظم کی لائنیں موجودہ دور کی سیاسی وسماجی صورت حال کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔

موجودہ عصری تناظر میں ادب، سماج اور سیاست ایک دوسرے سے جدا نہیں باہم متصل ہیں۔ ادب ان متصل موضوعات پر گہری نظر رکھتا ھے۔ موجودہ سیاست، حکمت، تدبر اور خدمت کے دائرہ کار سے نکل کر محض ذاتی مفادات اور لوٹ کھسوٹ کی روایت بن چکی ہے۔ صاحبان اقتدار

بقیہ صفحہ نمبر 12

بزمِ کامران
انٹرویو
دوسری قسط
https://youtube.com/@podcastwithkamran

ریلوے ورکر یونین اوپن لائن کے
مرکزی سینئر نائب صدر اور کراچی ڈویژن کے جنرل سیکرٹری
جنید اعوان کی جدوجہد

سوال ۔ ریلوے جو حکومت کی اجارہ داری میں چلتی ہے لیکن اسے نقصان کیوں ہو رہا ہے ۔جواب ۔ ریلوے پوری دنیا میں انسانوں کی فلاح وبہبود کے لیے بنی ۔ آج جس خطہ میں پاکستان واقع ہے وہاں ریلوے کی بنیاد مئی 1886 کو رکھی گئ ۔ایک انگریز نے کراچی کیماڑی سے کوٹری تک 100 کلومیٹر کا ٹکرا بنایا اور ٹھیک 6 ماہ بعد اس کو حکومت برطانیہ کے حوالے کردیا کہ اسے حکومت ہی چلاۓ ۔ اس کے بعد حکومت برطانیہ نے اس ریلوے لائن کو مزید آگے بڑھایا۔ قیام پاکستان کے بعد 1975 تک ریلوے کا بجٹ قومی اسمبلی میں الگ سے پیش ہوتا تھا۔ اس سے ریلوے کے اخراجات اور آمدن کا بھی پتہ چلتا تھا۔ 1985 تک پاکستان ریلوے منافع بخش ادارہ تھا ۔ میں آج تک ITFU کے حوالے سے کئی ممالک میں ٹرانسپورٹ ورکرز کی کانفرنسز میں جا چکا ہوں ۔ پوری دنیا میں ریلوے کی پیسنجر سائیڈ منافع میں نہیں چلتی ۔ منافع صرف ریلوے کے کارگو سے حاصل ہوتا ہے۔ 1985 میں جنرل ضیاالحق کے مارشل لاء کے دور میں ریلوے پر شب خون مارا گیا اور NLC کے نام سے فوج کا ایک ادارہ بنا کر ریلوے کا کارگو سسٹم اس کے حوالے کردیا گیا۔ پاکستان میں کل کارگو کا ٪75 پاکستان ریلوے کے ذریعہ ملک کے مختلف حصوں میں پہنچایا جاتا تھا۔ ان ہی دنوں "ہیگ" (یورپ) میں دنیا کے پس ماندہ ممالک کے ریلوے افسران کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں دنیا کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی ۔ انڈیا کے نمائندوں نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ اس کانفرنس کی تمام کاروائی کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں یہ طے ہوا کہ ریلوے کو "سیکڑو" اس کے روٹس کم کرو۔ اس کام کے لیے ریلوے کے افسران کو بڑے بڑے "کیک بیکس" دیئے گے۔ اس کانفرنس کے بعد پاکستان میں ریلوے کے 850 کلومیٹر روٹس اور بہت سے چھوٹے اسٹیشن بند کردیے گے ۔ اور پوری منصوبہ بندی سے ریلوے کی تباہی کا آغاز ہوگیا۔ جب ہندستان کا بٹوارہ ہوا تھا پاکستان ریلوے کے حصہ میں ایک لاکھ 32 ہزار ملازمین اور تقریبا "650" افسران آۓ۔ اس وقت ریلوے ملازمین کی تعداد 50 ہزار اور افسران کی تعداد 6500 سے زیادہ ہے ۔ اس وقت ریلوے میں 35 سے 40 ہزار اسامیاں خالی ہیں ۔ حکومت چونکہ ریلوے کی نجکاری چاہتی ہے اس لیے وہ مزید ملازمین بھرتی نہیں کررہی اور غلط پراپیگنڈہ کرکے ریلوے کو بدنام کرتی ہے۔ مختلف ادوار میں مختلف حکومتوں نے ریلوے کو پرائیویٹ سیکٹر کے پاس فروخت کرنے کی کوشش کی لیکن ریلوے کے مزدوروں نے دیگر اداروں کے مزدوروں کے ساتھ مل کر جدوجہد کرکے اس نج کاری کو روکا۔ آج بھی ریلوے کی نجکاری کو روک رہے ہیں اور روکتے رہیں گے ۔ پاکستان ریلوے غریب عوام کی سواری ہے اور ریلوے اُج بھی عوام کو 17 مختلف قسم کی سہولیات دیتا ہے ۔ اُج بھی روڈ ٹرانسپورٹ کے مقابلہ میں ریل کا کرایہ کم ہے ۔ مسافروں کو جو سہولیات ریل کے سفر میں میسر ہیں وہ روڈ ٹرانسپورٹ میں نہیں ہیں ۔ "ہیگ" (یورپ) میں دوران اجلاس یہ بھی طے ہوا تھا کہ جاپان ۔ جرمنی اور دیگر اداروں کی بسیں اور ٹریلر ان ممالک کو فروخت کیے جاہیں گے۔

اس مقصد کے لیے پاکستان میں موٹر ویزے تعمیر کیے گے جب کہ ابھی ہمیں موٹر ویز کی ضرورت نہیں تھی ۔ پاکستانیوں میں ابھی تک لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی۔ تعلیم ۔علاج گھر میسر نہیں ہیں ۔لیکن حکومتوں نے موٹر ویز بنائے اور کیک بیکس لیے۔ جب ریلوے کا ٪75 کارگو NLC کو دے دیا گیا تو چند سالوں بعد یہ خبر آئی کہ NLC کو 200 ارب روپے کا خسارہ ہو گیا ہے ۔NLC ریلوے کا کارگو لینے کے بعد بھی منافع تو نہ کما سکی لیکن اس نے پاکستان ریلوے کو تباہ کر دیا۔ ریلوے افسران کی غلط منصوبہ بندی نے بھی ریلوے کو تباہ کیا ہے اس وقت 7 ہزار کے لگ بھگ افسران دفروں میں بیٹھے ہوئے ہیں جن میں ٪90 انجینر ز ہیں لیکن دفتروں میں بیٹھ کر کلریکل کام کر رہیے ہیں ۔ کمرشل کے افسران جنھیں مارکیٹنگ کرنا چاہیے وہ دفروں میں بیٹھ کر لین دین کا کام کرتے ہیں ۔اسی طرح ریلوے کی ہزاروں ایکڑ زمین سے پاکستان ریلوے کی افسر شاہی کوئی معقول آمدن حاصل کرنے میں آج تک نا کام رہی ہے جب کہ انڈین ریلوے ہر سال قریبا" 10 ارب روپے صرف ریلوے کی زمین کے مناسب استعمال سے حاصل کرتا ہے ۔میں نے ریلوے کی بہتری کے لیے اپنے تجربات پر مشتمل ایک کتاب لکھ کر فوج کے سربراہ سمیت چاروں صوبوں کے چیف جسٹس صاحبان ۔ وزارت ریلوے ۔ممبران پارلیمنٹ ۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو بھجی جس میں ۔میں نے بتایا کہ پاکستان ریلوے اپنے اسی بجٹ میں رہتے ہوے سال کا10 ارب روپیہ منافع کما سکتی ہے لیکن کسی نے بھی اس کتاب کے مندرجات پر غور کرنا ضروری نہیں سمجھا۔سب سے پہلے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ ریلوے کیا دفاعی ادارہ ہے یا فلاحی ادارہ ہے یا کمرشل ادارہ ہے ۔ اگر کمرشل ادارہ ہے تو پھر بھی کمرشل پالیسیاں بنا کر سالانہ 10 سے 20 ارب روپے سالانہ منافع کمایا جا سکتا ہے ۔اس پر ہم نے پوری رپورٹ لکھ کر دی لیکن کسی نے ان پر کوئی عمل نہیں کیا۔ الٹا میرے خلاف مقدمات بنوا دیئے اور میرے خلاف 19 مقدمات بنا ڈالے جن میں دہشت گردی کی دفعات بھی شامل کی گہیں ۔دو سال قبل میری ریلوے سے ریٹائر منٹ ہوئی ۔میرے تمام مقدمات عبدالقادر مندوخیل نے عدالتوں میں لڑے اور انہوں نے مجھ سے کوئی فیس بھی نہیں لی ۔ ہماری وجہ سے ان پر بھی ایک FIR کاٹی گئی ۔خیر ہم سب ان تمام مقدمات سے باعزت طور پر بری ہوئے ۔ ان تمام سختیوں کے باوجود ہم مزدوروں ۔ہاریوں اور کسانوں کے حقوق کی جدوجہد کر رہئے ہیں ۔ کیونکہ ہمارے جو سیاسی استاد تھے جناب طفیل عباس انہوں نے ہمیں جدوجہد کا جو سبق پڑھایا تھا ہم اُج بھی اسی پر عمل کر رہیے ہیں۔

سوال ۔اُپ کی جدوجہد کے دوران فوجی حکومتیں بھی آئیں اور سول حکومتیں بھی آئیں ppp۔ ن لیگ ۔PTI سب حکومت میں رہیے ۔کیا آپ کو کبھی لگا کہ پاکستان میں کوئی مزدور دوست حکومت بھی رہی ہے۔

جواب ۔ 1947 سے اُج تک میری نظر میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی جو حکومتیں آئیں ہیں انہوں نے اس ملک میں اپنی اولادوں کی بہتری کے لیے ہی فیصلے کیے ۔ppp کی حکومت ایسی حکومت ہے جس نے ایک روپے میں چار آنے ورکرز کی بات کرتی ہے ۔ppp کے بانی ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی پارٹی کی بنیاد مزدوروں کے ساتھ مل کر رکھی تھی ۔ بی ایم کٹی ۔ڈاکٹر مبشر حسن ۔ جیسے لوگ بھٹو صاحب کے ساتھ تھے ۔طفیل عباس کے ساتھ بھی بھٹو صاحب کی بہت دوستی تھی ان کی آپس میں بہت ملاقاتیں رہتیں ۔ یہ وجہ تھی کہ 1970 میں ppp کے مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ اچھے روابط تھے ۔ابھی بھی ppp میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو مزدوروں کسانوں کے حق میں بات کرتے ہیں ۔ لیکن دیگر پارٹیاں اس مسلہ پر مکمل خاموش ہیں ۔میرا اپنا نظریہ ہے کہ جو لوگ ملک میں لیفٹ کی سیاست کرتے ہیں اور ان کی اچھی خاصی تعداد ملک میں موجود ہے وہ اگر اکھٹے ہو جاہیں اور اپنی ایک پارٹی بنالیں جو صرف مزدوروں ۔کسانوں کے راج کے لیے جدوجہد کرے اور لوگوں تک یہ پروگرام پہنچائے کہ جب تک پاکستان کی مروجہ جاگیرادارنہ اور سرمایہ دارانہ سیاسی جماعتیں سیاست اور اقتدار پر قابض رہیں گہیں تو اس ملک کے حالات تبدیل نہیں ہو سکتے ۔اس ملک میں دہشت گردی۔ظم و زیادتی ۔خاص کر مزہبی انتہا پسندوں نے جو کام گرم کیا ہوا ہے اور وہ بھی اپنی سیاست کر رہیے ہیں ۔ مجھے ان بورژوا پارٹیوں سے توقع نہیں ہے کہ ہم ایسی پارٹیوں میں رہ کر اپنا کام کر سکتے ہیں ۔ہاں انسان اپنا راستہ نکالے ۔ بات کو اُگے بڑھائے ۔ پیپلز پارٹی قادر خان مندوخیل ایم این اے آج بھی مزدوروں کی بحالی اور ان کے مسائل کے حل کے لیے کام کر رہے ہیں ۔ ہم نے اپنے مسائل کو جدوجہد سے حل کروایا ہے اور آئندہ بھی جدوجہد سے حل کرواتے رہیں گے۔

سوال ۔حکومت ابھی تک ریلوے کو نجی شعبہ کے

بقیہ صفحہ نمبر 13

انجمن ترقی پسند مصنفین اسلام آباد کا اجلاس

آج مورخہ 9 مئی بروز منگل شام 5 بجے انجمن ترقی پسند مصنفین اسلام آباد کا اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر عمران جہانگیر منعقد ہوا۔ باقاعدہ اجلاس شروع ہونے سے قبل اسلام آباد چیپٹر کی تنظیم کا بھی اعلان عمل میں لایا گیا جس کے تحت اسلام آباد ترقی پسند مصنفین کے جنرل سیکریٹری محترم ممتاز احمد آرزو اور صدر کے لیے محترم ڈاکٹر عمران جہانگیر کو منتخب کیا گیا جبکہ جوائنٹ سیکرٹری محترم بشیر حسین شاہ اور سینئر نائب صدر محترمہ ناہید اختر کا انتخاب عمل میں لایا گیا اسی طرح سکریٹری انفارمیشن کے لیے علی ناصر کو منتخب کیا گیا۔ جبکہ باقی دیگر عہدوں کے لیے آئندہ کی میٹنگ میں طے کیا جائے گا۔ اجلاس میں لاہور سے آئے ہوئے مہمان محترم سید عنصر گیلانی نے خصوصی شرکت کی۔ اس کے علاوہ دیگر جن ارکان نے شرکت کی ان میں محترم عامر رضا، محترم حفیظ خٹک، محترم مدثر محبوب، محترم ڈاکٹر عامر، محترم شکیل احمد، محترم سکندر حیات اور دیگر دوست شامل تھے۔ اجلاس میں طے کیا گیا کہ انجمن کی میٹنگ ہر ماہ اکیڈمی ادبیات میں پہلے منگل کو شام 5 بجے منعقد کی جائے گی۔

اور آئندہ ہونے والی میٹنگ میں ایک بھرپور مشاعرہ منعقد ہوگا جس میں پنڈی اسلام آباد اور دیگر شہروں کے شعراء کرام کو مدعو کیا جائے گا اس کے بعد اگلی میٹنگ میں مارکسی جمالیات پر محترم ممتاز احمد آرزو اور محترم بشیر حسین شاہ اپنے مکالات پیش کریں گے۔ تقریباً دو گھنٹے جاری رہنے والی میٹنگ بڑے خوشگوار انداز میں اختتام پزیر ہوئی۔ اجلاس میں ملک میں جاری ادبی اور دیگر تقریبات پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اس کے علاوہ ملکی صورتحال پر بھی گفتگو ہوئی۔ میٹنگ کے آخر میں عظیم مفکر کارل مارکس کی دوسو پانچویں سالگرہ پر کیک بھی کاٹا گیا۔ اس سے قبل محترم ممتاز احمد آرزو اور محترم بشیر حسین شاہ نے مارکس کی زندگی پر بھی گفتگو کی جو بعد میں ہلکی پھلکی بحث میں تبدیل ہوگئی۔ آج چونکہ عمران خان کی گرفتاری بھی ہوئی تھی اس لیے شہر کے خراب حالات کے پیش نظر میٹنگ کا اختتام جلدی کرنا پڑا اسی وجہ سے آج کی میٹنگ میں مدعو کیے گئے بہت سارے مہمان تشریف نہ لا سکے۔ امید ہے آگے چل کر پنڈی اسلام آباد کی ادبی سرگرمیوں میں اس طرح کے پروگرام تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوں گے۔ علی ناصر انفارمیشن سکریٹری ترقی پسند مصنفین اسلام آباد۔

بزم منشور لاہور کا اجلاس

پاکستان کی موجودہ پرتشدد لہر کی بنیادی وجہ لوگوں کی معاشی محرومیاں ہیں۔ بزم منشور بزم منشور لاہور کے اجلاس میں ملک کی موجودہ پرتشدد سیاسی صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے شرکاء اجلاس نے کہا کہ بظاہر تو یہ سب کچھ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان اقتدار کے حصول کی کشمکش کا نتیجہ ہی نظر آتا ہے جس نے نامعقولیت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نامعقولیت کے رویہ نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ اپنی جان سے ہاتھ بیٹھے اور لاتعداد زخمی ہوئے۔ سرکاری اور غیر سرکاری املاک کا اربوں کا نقصان الگ ہوا اور پورا ملک بے یقینی اور خوف میں مبتلا ہوا۔ سپریم کورٹ اور اسلام آباد ہائی کورٹ سے اپوزیشن لیڈر عمران خان کی ضمانت کے بعد تشدد کی جاری لہر میں ٹھہراؤ آگیا ہے لیکن اس ہی کے ساتھ پولیس کی طرف سے یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اس نے ان پرتشدد کاروائیوں میں ملوث ہزاروں لوگوں کو گرفتار کرلیا ہے اور مزید کی تلاش جاری ہے۔ شرکاءِ اجلاس نے کہا امن قائم کرنا اور امن خراب کرنے والوں کو گرفتار کرنا پولیس کا کام ہے لیکن پولیس پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ قانون کے مطابق تمام گرفتار شدگان کو عدالتوں میں پیش کرے اور کاروائی اس طرح سرانجام دے کہ قانون کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے آئینی تقاضے بھی پورے کیے جائیں تاکہ کسی بے گناہ کے ساتھ زیادتی یا ناانصافی نہ ہو۔ شرکاءِ اجلاس نے کہا ان واقعات کے پس منظر کو دیکھا جائے تو معاملہ آئین پر عمل درآمد سے لے کر عوام کے روزی روزگار تک چلا جاتا ہے۔ کسی معاشرے میں جب بھی مملکت کو چلانے کے طے شدہ قوانین اور قوائد و ضوابط پر عمل نہ ہو اور عوام کے مسائل میں بھی دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا چلا جائے تو پھر ماحول کو پرامن رکھنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے اور پاکستان میں ابھرنے والی پرتشدد لہر کا جائزہ ان ہی عوامل کو پیش نظر رکھ کر لینا چاہیے اور ان تمام تر غلطیوں کا ازالہ کیا جانا ضروی ہے جن کے نتیجہ میں یہ تمام حالات و واقعات سامنے آئے تاکہ آہندہ ملک وقوم کو ایسی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا اجلاس میں اشتیاق چوہدری ایڈوکیٹ سپریم کورٹ۔ حسن محمد

رانا ایڈووکیٹ۔امتیاز گجر ایڈووکیٹ۔محمد یعقوب۔ محمد اکبر۔فضل واحد۔زبیر وارثی۔ناصر اقبال۔محمد عارف۔ناصف اعوان۔اقبال مغل اور شوکت علی چوہدری نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

متحدہ لیبر فیڈریشن اور پاکستان مزدور محاذ لاہور کا مشترکہ اجلاس

حکومت عوام کو ریلیف دے اور پٹرول۔بجلی۔گیس اور اشیاے ضروریہ کی قیمتوں میں کمی کرے۔PMM.MLF متحدہ لیبر فیڈریشن اور پاکستان مزدور محاذ لاہور کے مشترکہ اجلاس میں مزدور رہنماوں نے موجودہ ملکی صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ مہنگائی، بے روزگاری اور معاشی بحران میں گھرے ہوئے ملک میں عوام پہلے ہی پریشانیوں کا شکار تھی کہ صنعتی پیداوار اور ایکسپورٹ بجاے بڑھنے کے دن بہ دن کم ہو رہی ہیں۔ٹارگٹ کے مطابق ٹیکس کولیکشن ہو نہیں رہی۔غیر مما لک میں مقیم پاکستانیوں کی طرف سے آنے والی رقوم میں کمی واقع ہو رہی ہے۔زرعی پیداوار بھی ٹارگٹ سے کم پیدا ہو رہی ہے۔غیر ملکی امداد، جس پر حکمرانوں نے 75 سالوں سے تکیہ کیا ہوا ہے اب وہ بھی بتدریج کم ہو رہی ہے اور IMF جس سے ان 75 سالوں میں 21 بار قرض لے چکے لیکن اس مرتبہ اس کی شرائط بھی محبوب کی فرمائشوں کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ان نامساعد معاشی حالات میں سیاسی افراتفری اپنے عروج پر پہنچ گی ہے۔ملک میں وہ وہ کچھ رونما ہو گیا جو آج تک نہیں ہوا تھا۔انہوں نے کہا اس وقت ضرورت امر کی ہے کے تمام معاملات کو ملکی ترقی۔امن اور استحکام کو فروغ دینے کی غرض سے ڈیل کیا جاے نہ کہ حالات کو مزید کشیدگی اور بد امنی کی طرف بڑھایا جاے۔انہوں نے کہا اس پر کوئی دو راے نہیں کہ ملکی سلامتی اور امن کو نقصان پہنچانے میں اگر کوئی دہشت گرد اور ملک دشمن عنصر شامل ہے تو ان کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نپٹا جاے لیکن سیاسی کارکنوں کو دہشت گردی اور ملک دشمنی کے الزامات سے بچاتے ہوے ان پر فوجی قوانین کے تحت مقدمات قائم کرنے اور ان ہی قوانین کے تحت ان کا ٹرائل نہ کیا جاے یہ تمام مقدمات ملک کی عدالتوں میں چلائے جائیں اور جو بھی گہنگار پایا جائے اسے سولین قوانین و آئین کے مطابق سزا دی جاے۔انہوں نے کہا حکومت آنے والے بجٹ میں تمام سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کے ملامین کی تنخواہ میں مہنگائی کے تناسب سے اضافہ کرے۔حکومت عوام کو ریلیف دیتے ہوے بجلی۔گیس۔پٹرول اور اشیاء خوردونوش کی قیمتوں میں کمی کرے۔EOBI کے پینشرز کی پینشن میں اضافہ کرتے ہوے اسے کم از کم ماہانہ تنخواہ کے برابر کیا جاے۔انہوں نے کہا اس وقت حکمران اتحاد سمیت کسی بھی قومی پارٹی کی قیادت مزدوروں کسانوں اور غریب عوام کو درپیش مسائل پر کوئی بات نہیں کر رہی ایسا دکھائی دیتا ہے ان جماعتوں کے قائدین کو ماسواے اپنے اقتدار کے اور کچھ دکھائی ہی نہی دیتا۔انہوں نے کہا ہائی کورٹ سمیت ملک کی دیگر عدالتوں نے EOBI کے پینشرز کے حق میں جو فیصلے کیے ہیں EOBI کی افسر شاہی ان فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے تیار نہیں ان حالات میں ہمارے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ ہم EOBI کے بوڑھے پینشرز کے ساتھ EOBI کے دفاتر کے باہر احتجاجی مظاہرے کریں اور ہم دیگر مزدور تنظیموں کے تعاون سے ایسا ضرور کریں گے۔گفتگو میں محمد یعقوب۔شوکت علی چوہدری۔الطاف بلوچ۔محمد اکبر۔حنیف رامے۔ محمد عثمان گجر۔کامریڈ عبدالکریم۔محمد اشرف اور محمد افتخار نے حصہ لیا۔

بزم منشور لاہور کا اجلاس

بزم منشور لاہور کے اجلاس میں شرکاء اجلاس نے کہا ایران۔پاکستان۔روس کے درمیان تجارت کے فروغ کی خبریں حوصلہ افزائش ہیں۔ایسے وقت میں جب پاکستان کو IMF کے قدموں میں ڈال دینے کے بعد اور IMF کی تمام شرائط پر سر تسلیم خم کر کے بھی IMF پاکستان کو قرض کی قسط جاری نہیں کر رہا اور پاکستانی معیشت وینٹیلیٹر پر ہچکیاں لے رہی ہے تو۔ایران اور روس کے ساتھ تجارت کو فروغ دینے سے پاکستانی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے اور روس سے سستے تیل کی درآمد سے پاکستانی معیشت پر دنیا سے مہنگے داموں تیل درآمد کرنے کی وجہ سے پڑنے والے مالی دباو میں کمی آے گی۔اسی طرح ایران سے بارڈر تجارت کرنے اور گوادر کے لیے 100 میگاواٹ بجلی حاصل کرنے کے بھی پاکستانی معیشت پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔بزم منشور کے شرکاء نے اس موقع پر کہا اس ضرورت اس امر کی ہے۔

کہ پاکستانی حکمران اور فیصلہ ساز قوتیں ایران اور روس کے علاوہ پاکستان کی ہمسائیگی میں موجود دیگر مما لک کے ساتھ بھی تجارت کو بڑھائیں۔انہوں نے کہا یہ وقت ہے کہ پاکستانی حکمران ایران سے بزریعہ پائپ لائن گیس کے حصول کو

بھی یقینی بنائیں تاکہ پاکستان انرجی بحران پر قابو پا سکے اور پاکستان کی صنعت اور زراعت کو سستی اور بلاتعطل انرجی سپلائی جاری رکھی جا سکے جس کے نتیجہ مں پاکستان کی صنعتی پیداوار جو ٪1 سالانہ تک گر چکی ہے اس میں قابل ذکر حد تک اضافہ کو ممکن بنایا جا سکے۔انہوں نے کہا جہاں تک مہنگائی کا تعلق ہے تو کرونا اور اس کے بعد روس، یوکرائن جنگ کے نتیجہ میں پورے یورپ سمیت امریکہ تک میں مہنگائی اور بے روزگاری کی لہر آئی ہوئی ہے لیکن وہ ممالک چونکہ خوش حال اور صنعتی طور پر مضبوط ملک ہیں وہ اپنے معاشی بحرانوں پر کسی نہ کسی طرح قابو پالیں گے لیکن پاکستان جو صنعتی اور معاشی طور پر کمزور ملک ہے اور بدقسمتی سے پاکستان کے پالیسی ساز اداروں نے اس ملک کو زراعت اور صنعت میں مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کی بجائے ہمیشہ ہی سامراجی ممالک کے قرضوں اور امداد پر ہی تکیہ کیا مگر بدلتے ہوئے بین الاقوامی منظر نامے کی وجہ سے اب قرض اور امداد دونوں کا حصول مشکل سے مشکل تر ہو جاتا جا رہا ہے تو پالیسی سازوں اور حکمرانوں کو چاہیے کہ اب 76 سالہ خیراتی پالیسی کو تبدیل کرتے ہوئے خود کفالت کی پالیسی اپنائیں اور ایک خود دار قوم کیطرح زندہ رہیں۔اس کے لیے ضروری ہے کے سب سے پہلے اپنے ہمسایہ ممالک اور اس ریجن کے دیگر ممالک کے ساتھ اپنے تجارتی مراسم کو فروغ دیں اور قرضوں کی معیشت سے نکلنے کی منصوبہ بندی کریں اور ملک کی زراعت کو ترقی دینے کے لیے فرسودہ جاگیردارانہ طرز زراعت کا خاتمہ کریں۔گفتگو میں محمد یعقوب۔محمد اکبر۔حسن محمد رانا۔اشتیاق چوھدری ایڈوکیٹ۔ زبیر وارثی۔فضل واحد۔کالمسٹ خالد بھٹی۔ناصر اقبال۔کامریڈ عبدالکریم۔اقبال مغل۔عبداللہ بھٹی اور شوکت علی چوہدری نے حصہ لیا۔

پریس کلب راولپنڈی میں یوم مئی کا جلسہ عام

رپورٹ۔علی ناصر

1886 کے شکاگو کے شہیدوں کا سفر ابھی تک جاری ہے۔یوم مئی پر راولپنڈی کے محنت کشوں کا اعلامیہ۔رپورٹ۔علی ناصر راولپنڈی پریس کلب میں آل پاکستان واپڈا ہائیڈرو ورکرز یونین۔پاکستان مزدور محاذ اور دادا امیر حیدر جدجہد کمیٹی کے زیر اہتمام راولپنڈی پریس کلب میں یوم مئی پر جلسہ عام منعقد کیا جائے۔صدارت کے فرائض PMM کے سکریٹری جنرل اور دادا امیر حیدر جدوجہد کمیٹی کے اُرگنائزر شوکت نے سرانجام دیے۔اُل پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے رہنما محمد اکرم بندہ نے یوم مئی کی اہمیت وافادیت پر گفتگو کرتے ہوئے کہا1886 میں امریکہ کے شہر شکاگو میں مزدوروں نے یومیہ 16 گھنٹے کی بجائے 8 گھنٹے یومیہ سے زیادہ کام کرنے کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔عورتوں کو مردوں کے برابر تنخواہ دینے کا مطالبہ کیا۔ 14 سال سے کم عمر کے بچوں سے مشقت لینے پر پابندی کا مطالبہ کیا۔انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ اُجر اپنے منافع سے مزدروں کو مناسب حصہ دیں۔ان مطالبات کو منوانے کے جرم میں امریکی سرکار نے 8 مزدوروں کو شہید اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا انہیں پھانسیوں پر چڑھایا اور جیلوں میں ڈالا۔طارق نیازی رہنما اُل پاکستان فیڈریشن اُف ٹریڈ یونینز نے 1886 کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا شکاگو کے شہیدوں نے اپنا حق لینے کے لیے قربانیاں دیں ۔ملک محمد نواز رہنما پاکستان مزدور محاذ نے کہا شکاگو کے شہیدوں کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی طرح ہم بھی اپنے پاکستانی بھائیوں اور رہنماؤں کو بھی یاد کرتے ہیں۔دادا امیر حیدر۔طفیل عباس۔قاضی احمد نعیم قریشی اور بہت سے دوسرے ساتھی جو آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن پوری دنیا کی طرح پاکستان میں بھی طبقاتی جدوجہد جاری ہے۔

چوہدری اختر رہنما ریلوے ورکرز یونین نے کہا مزدوروں کے حالات خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں۔تمام حکمرانوں نے مزدوروں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ہمیں ان زیادتیوں کے خلاف آواز بلند کرنا ہوگی۔نذر جاوید رہنما PWD ورکرز فیڈریشن نے کہا مزدور اپنے رہنماوں کو نماہندگی کا حق دیتے ہیں مگر بدقسمتی سے ہمارے رہنما اتفاق اور اتحاد کیطرف نہیں جاتے۔مزدوروں کے خلاف صدیوں سے سازشیں ہو رہی ہیں۔۔ہمیں اس نعرے کو سچ ثابت کرنا ہوگا کہ دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ۔سردار زاہد رہنما واپڈا یونین نے کہا ہمیں اپنی جدجہد سے اس ظالم سماج اور اشرافیہ کے سامنے مزدوروں کو عزت و وقار دینا ہوگا۔کبیر صاحب رہنما PTUDC نے کہا کبھی ان سڑکوں پر ہزاروں سرخ جھنڈے نکلا کرتے تھے۔یکم مئی محنت کشوں کے لیے مشل راہ ہے۔سرمایہ دارانہ نظام میں صرف منافع کو بڑھایا جاتا ہے ہمیں حقیقی معنوں میں بھلائی کا سماج بنانا پڑے گا۔مزدور رہنما راجہ ہارون نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہمیں صرف تقاریر ہی نہیں کرنا ہیں ہمیں میدان عمل میں اُنا ہوگا۔نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سابق رہنما غلام نبی بٹ نے خطاب کرتے ہوئے شکاگو کے

شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا ہم NSF کے تمام ممبران 1973.74 میں قاضی احمد نعیم قریشی کے سٹڈی سرکل میں بیٹھا کرتے تھے ۔میں اس وقت NSF راولپنڈی کا نائب صدر تھا۔ ہم نے راولپنڈی میں قاضی احمد نعیم قریشی اور شوکت چوہدری کی قیادت میں طلبا اور مزدوروں کو منظم کرنے میں بہت محبت کی تھی ۔حماد قریشی رہنما PTCL یونین نے کہانج کاری کی وجہ سے ہم 65 ہزار سے گیارہ ہزار رہ گے ہیں ۔ لیبر قوانین میں مزدور کے خلاف تبدیلیاں کر کے مزدور تحریک کو کمزور کیا گیا ۔ ساجد تنولی ایڈوکیٹ نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہر وہ شخص جو اپنی محنت بیچتا ہے وہ مزدور ہے اور اس نظام میں اس کا بھیہ استحصال ہوتا ہے ۔ہمیں اس استحصال کے خلاف جدوجہد کو تیز کرنا ہوگا۔عباسی شاہ رہنما فرنیچر کاریگر مزدور اتحاد نے خطاب کرتے ہوئے کہا میں اس فیلڈ میں بالکل نیا ہوں ۔شوکت چوھدری ، اکرم بندہ اور قاضی احمد نعیم قریشی مرحوم کی رہنمائی میں ہم نے راولپنڈی کے فرنیچر کاریگروں کو منظم کرنے کا آغاز کیا ہے ہمیں آپ سب سینیر رہنماوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے طاہر بھٹی رہنما ریلوے ورکرز یونین تارا نشان نے کہا آج قاضی احمد نعیم قریشی ہم نہیں ہیں۔

لیکن ان کی تعلیمات ہمارے ساتھ ہیں

ہمیں مزدوروں کی سیاسی تربیت کے لیے سٹڈی سرکل شروع کرنا ہوں گے۔کامریڈ ملک چنگیز خان نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہماری جنگ کل بھی عالمی سامراج کے ساتھ تھی اور آج بھی اسی کے ساتھ ہے ہم سب کو مل کر یہ جنگ لڑنا ہو گی ۔شوکت علی چوھدری سیکریٹری جنرل PMM نے کہا آج جس جزبہ سے راولپنڈی کے محنت کشوں نے مل کر یوم مئی منایا ہے اس پر تمام کارکن اور رہنما مبارک باد کے مستحق ہیں ۔یکم مئی کا یہ پیغام ہے ہم مزدوروں کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ مزدوروں کسانوں طلبا اور عوام کے درمیان مضبوط رابطہ قائم کریں ۔ممتاز احمد آرزو رہنما پاکستان انقلابی پارٹی نے کہا ہم اپنے اتحاد سے ہی اپنے طبقاتی دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں ۔ہمیں محنت کشوں کو منظم کرنے اور ان کے مطالبات کے حل کے لیے مل کر جدوجہد جاری رکھنا ہو گی ۔مدثر محبوب رہنما لیبر قومی موومنٹ پاکستان نے یکم مئی کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوے اس عزم کا اظہار کا کہ ہماری جدوجہد مزدوروں کسانوں کے راج کے قیام تک تک جاری گی ۔محمد اسمعیل رہنما کیمونسٹ پارٹی آف پاکستان نے کہا میں تمام مزدور تنظیموں اور یاں موجود سیاسی جاعتوں اور دادا امیر حیدر جدوجہد کمیٹی کے رہنماوں کو آج یوم مئی کے کامیاب اجتماع کے انعقاد پر مبارک دیتا ہوں محترمہ فرزانہ بخاری رہنما عوامی ورکرز پارٹی نے خطاب کرتے ہوئے کہا ہم سب مزدوروں کا راج قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔موجودہ نظام بربریت کا نظام ہے نیو لیبرل پالیسی سے مزدوروں کو تقسیم کیا گیا ہے عمران خان رہنما واپڈا ہائیڈرو الیکٹرک ورکرز یونین نے کہا بجلی کا نظام ہمارے مزدوروں کے لہو سے چل رہا ہے آئے روز ہمارے مزدور کرنٹ لگنے سے شہید ہو جاتے ہیں ۔ہمیں مزدوروں کو تقسیم در تقسیم کے عمل کو روکنا ہوگا ۔ہمیں سامراجی نظام سے نکلنے کے لیے IMF سے جان چھڑانا ہوگی ۔اجلاس میں عوامی ورکرز پارٹی اور دادا امیر حیدر جدوجہد کمیٹی کے رہنما ماسٹر جمیل بھٹی ۔ پاکستان عوامی تحریک کے رہنماوں طاہر ملک اور بابر محمود کے علاوہ دراوڑ ویلفیر آرگنائزیشن کے رہنما ملک محبوب سلطان اور یونائیٹڈ ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنماوں قاضی محمد آصف ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اور اکرم شاہ نے بھی شرکت کی اور یکم مئی کو پریس کلب میں کامیاب اجتماع منعقد کرنے پر سب رہنماوں کو مبارک دی۔

کراچی میں یوم مئی کی ریلی وجلسہ عام

چلو چلو آئی آئی چندریگر نیشنل بینک ہیڈ آفس کراچی سٹی چلو۔ چلو چلو آئی آئی چندریگر نیشنل بینک ہیڈ آفس کراچی سٹی چلو آج یوم مئی مزدوروں کے عالمی دن منانے کے حوالے سے ریلوے ڈی ایس آفس کراچی سٹی میں جوائنٹ میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس میں نیشنل بینک سے عادخان عرفان گجر محمد خان سوئی گیس سے یاسین عالمانی پی آئی اے سے میڈم الماس اکبر سمبل عارف سیول ایوی ایشن سے افضال خان ودیگر ریلوے سے محمد جنید اعوان اکرم آرائیں خورشید اعوان باز محمد خان محمد منصور جمالی و دیگر شریک ہوئے میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا یوم۔مئ کو دن 11 بجے نیشنل بینک ہیڈ آفس کراچی سٹی سے سینکڑوں مزدوروں کی موجودگی میں ریلی نکالی جائے گی ریلی سوئی گیس آفس ریلوے ڈی ایس آفس کراچی آئی آئی چندریگر روڈ سے ہوتی ہوئی پریس کلب پہنچے گی جس میں مہمان خصوصی ریلوے ورکر یونین تارا نشان کے مرکز سرپرست اعلیٰ ایم این اے پاکستان پیپلز پارٹی سربراہ مزدور بحالی کمیٹی قادرخان مندوخیل اور ترجمان سندھ حکومت وقانون بیرسٹر مرتضیٰ وہاب سمیت پاکستان مزدور محاز کے کامران عباس ودیگر خطاب کریں گے ریلوے ورکر یونین اوپن لائن تارا نشان کے قائد

محمد جنید اعوان نے کراچی ڈویژن و اندرون سندھ کارکنان کو یکم مئی مزدوروں کے عالمی دن کی ریلی میں شرکت یقینی بنانے کے احکامات جاری کر دئے ہیں یکم مئی کو میر پور خاص کوٹری ٹنڈو جام ماتلی دادو جنگ شاہی لانڈھی کراچی سٹی کراچی کینٹ سے ھزاروں ملازمین گل حسن ،وحید لغاری عباس لغاری ساجد اعوان ریحان شاہ مولا بخش بچو شمشاد احمد علی محمد حافظ صادق انوار الحق اعوان اکرم آرائیں و دیگر کی قیادت میں ریلی میں بھرپور شرکت کریں گے سوئی گیس نیشنل بینک سیول ایوی ایشن پی آئی اے Effected ملازمین کے رہنماؤں نے بھی اپنے محکموں کے ملازمین کو زیادہ سے زیادہ ریلی میں شرکت کرنے کے احکامات جاری کردئے ہیں انشااللہ ریلی تاریخی ہوگی ریلوے سوئی گیس پی آئی اے سیول ایوی ایشن نیشنل بینک effeected ملازمین نے کے رہنماؤں نے اپنے مشترکہ بیان میں وزیر اعظم پاکستان شہباز شریف سے مطالبہ کیا ہے کہ اسپیشل کمیٹی برائے بحالی ملازمین کی۔Direction پر فوری عمل۔درآمد کراوانے کے پی آئی اے سول ایوی ایشن ریلوے نیشنل بینک سوئی گیس محکموں کے منسٹری اورافسران کو فوری عمل درآمد کرنے کا پابند کریں اور کمر توڑ مہنگائی کے تناسب سے ملازمین کی تنخواہوں میں 100 فیصد اضافہ کیا جائے۔

پاکستان مزدور محاذ سندھ کے صدر سجاد حسین

یوم مئی کی ریلی کی قیادت کرتے ہوئے۔ پاکستان مزدور محاذ کراچی کے تمام ساتھی یکم مئی کو ریلوے ورکرز یونین تارا نشان اوپن لائن کی ریلی میں شرکت کریں گے سجاد حسین صدر PMM سندھ

پاکستان مزدور محاذ سندھ کے صدر سجاد حسین نے پاکستان مزدور محاذ کراچی کے تمام ساتھیوں کو کہا ہے کہ وہ یکم مئی کو دن 11 بجے نیشنل بنک ہیڈ کوارٹر آئی آئی چندریگر روڈ کراچی سے ریلوے ورکرز یونین اوپن لائن تارا نشان کے رہنما جنید اعوان۔مزدور بحالی کمیٹی اور ریلوے ورکرز یونین تارا نشان کے سرپرست اعلی قادر خان مندوخیل اور ترجمان سندھ حکومت بیرسٹر مرتضیٰ وہاب کی قیادت میں نکلنے والی مزدور ریلی میں شرکت کریں۔یہ ریلی جو سوئی گیس آفس سے۔ ریلوے ڈی ایس آفس کراچی سے ہوتی ہوئی پریس کلب پہنچے گی۔اس ریلی میں نیشنل بنک ۔سوئی گیس۔ سول ایوی ایشن۔ PIA پاکستان ریلوے کے علاوہ دیگر فیڈریشنز اور یونینز کے رہنما اور کارکن شرکت کریں گے ۔ ریلی کے اختتام پر جنید اعوان ۔قادر خان مندوخیل MNA ۔ ترجمان سندھ حکومت بیرسٹر مرتضی وہاب ۔ پاکستان مزدور محاذ کے مرکزی سیکریٹری انفارمیشن اور ماہنامہ منشور کے چیف ایڈیٹر کامران عباس کے علاوہ دیگر مزدور رہنماء بھی خطاب کریں گے ۔

سابق جنرل سیکرٹری الائیڈ بینک اسٹاف یونین پاکستان،صدر پاکستان مزدور محاذ سندھ جناب سجاد حسین صاحب یکم مئی 2023 مزدور ڈے کے موقع پر ریلی کی قیادت کرتے ہوئے۔یکم مئی شکاگو کے مزدوروں کی قربانیوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ۔نظام بدلنے تک یہ درد بھی سہنا ہے۔۔۔!!!مزدور کے بچوں کو مزدور ہی رہنا ہے ۔۔۔ریلی سے خطاب کرتے ہوئے جناب سجاد حسین نے کہا کہ ملک گیر سرمایہ دارانہ سامراجی نظام کے خلاف مزدور اتحاد وقت کی ضرورت ہے اگر آج لیبر تنظیمات ،ٹریڈ یونینز کے زمہ داران مزدوروں کو درپیش مسائل کے خلاف متحد نہ ہوئے اور دور حاضر کے چیلنجز کے خلاف ایک آواز ہو کر جدوجہد شروع نہ کی تو آنے والا وقت آج کی مزدور قیادت کے کردار وعمل پر ایک سوالیہ نشان ہوگا۔ ہر گزرتا دن محنت کشوں کے لئے محرومیاں لے کر طلوع ہوتا ہے اور محرومیوں کے ساتھ غروب ہوتا ہے۔ وقت حاضر کی جملہ لیبر لیڈرشپ کے کندھوں پر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔

پاکستان مزدور محاذ فیصل آباد یوم مئی

بزم منشور فیصل آباد کے زیر اہتمام مارکس ڈے کے موقع پر کیک کاٹا گیا۔

پاکستان مزدور محاذ فیصل آباد کے صدر احمد دین بھٹی نے تقریب کی صدارت کی ۔جس میں بزم منشور کے سیکرٹری ناصر مجید PMM کے سینئر رہنما الیاس اسد،اور PMM پنجاب کے جنرل سیکرٹری حسین نوید اور پاکستان مزدور محاذ کے ساتھیوں کے علاوہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رہنے والے دوستوں نے شرکت کی۔

یوم مئی کے موقع پر پاکستان مزدور محاذ فیصل آباد کے ساتھیوں کی شرکت۔

پاکستان مزدور محاذ پنجاب کے جنرل سیکرٹری حسین نوید ، سنیئر رہنما الیاس اسد اور ساتھیوں نے لیبر قومی موومنٹ پاکستان کی ریلی میں شرکت کی اور شہر بھر میں یوم مئی کے حوالے سے پمفلٹ جس میں محنت کش طبقے کے مسائل اور ان کے حل کے مطالبات درج تھے خوبصورت ماہنامہ منشور کے ٹائٹل کے ساتھ تقسیم گیا۔ریلی میں پاکستان مزدور محاذ کے ننھے ساتھی ایان نوید نے بھرپور جوش وخروش کے ساتھ نعرے لگاتے ہوئے پمفلٹ تقسیم کیے ۔

پاکستان مزدور محاذ چنیوٹ کے زیر اہتمام یوم مئی کی ریلی

پاکستان مزدور محاذ چنیوٹ کے زیر اہتمام یکم مئی کی ریلی جس کی قیادت صوبائی صدر پاکستان مزدور محاذ ڈاکٹر علی امین ضلعی جنرل سیکرٹری ایم ایم عاطف حنیف ایڈووکیٹ

بقیہ صفحہ نمبر 20

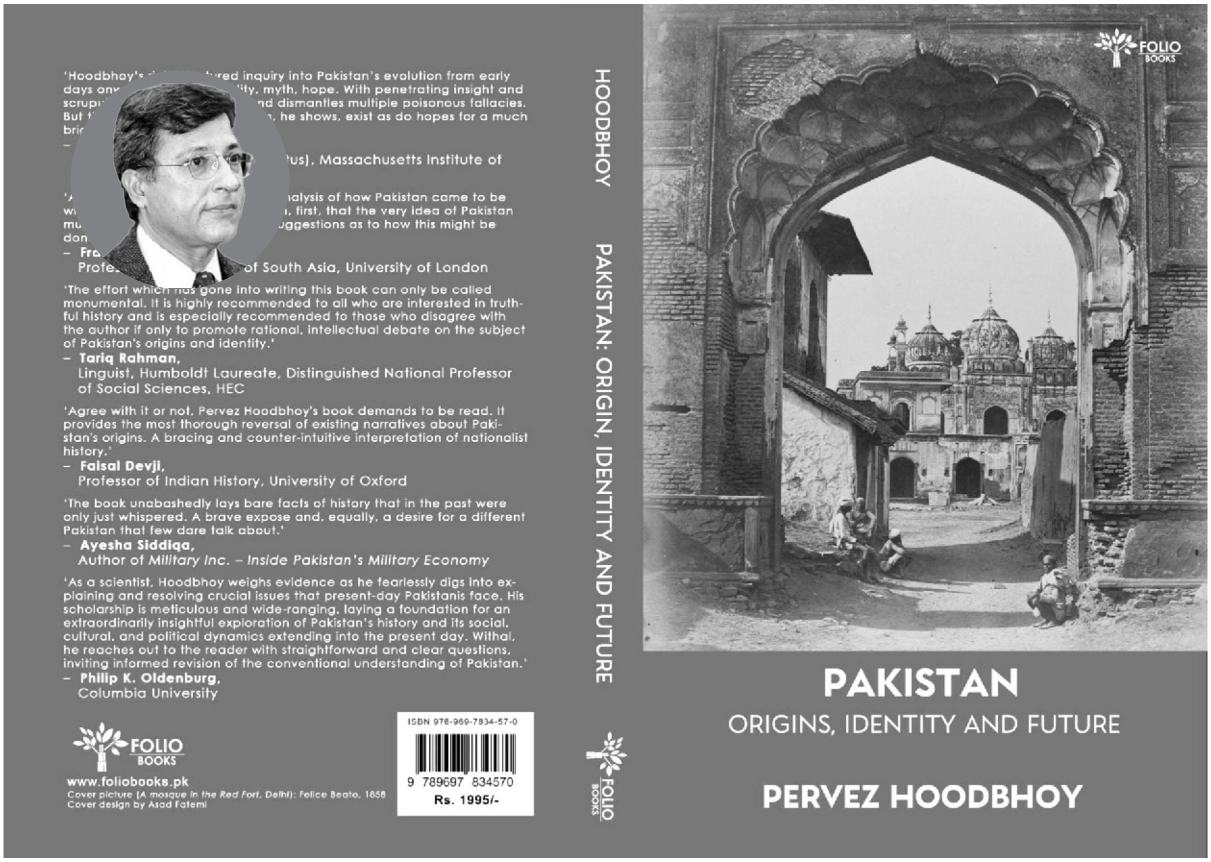

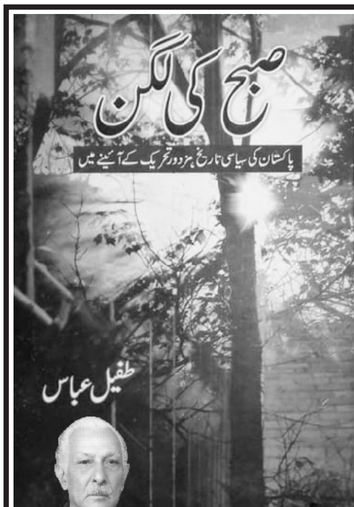

★ کیا پاکستان میں بائیں بازو کی تحریک نے اپنا کردار ادا کیا؟

★ اگر پاکستان میں ترقی پسند قوتیں آج کمزور نظر آتی تو انہیں پسپا کرنے میں کون سے تاریخی عوامل کارفرما تھے۔۔۔؟

★ اس جدوجہد میں ہمارے "عوامی" لیڈران کی اصلیت کیا تھی اور وہ مخلص وگمنام سپاہی کون تھے جو اپنا حرف حق رقم کر گزرے؟

معروف مزدور رہنما اور پاکستان مزدور محاذ کے سربراہ جناب طفیل عباس کی سیاسی یادداشتوں پر مبنی سوانح "صبح کی لگن" ایسے ہی کئی سوالوں کے جواب فراہم کرتی ہے اور نصف صدی پہ محیط، انصاف اور بنیادی حقوق کیلئے گئی ایک منفرد جدوجہد کی داستان سناتی ہے۔ یہ طبقاتی جنگ صدیوں سے چھڑی ہے اور شاید صدیوں تک جاری رہے۔

یہ کتاب انصاف اور آزادی کی متوالوں کو اس قافلے میں شرکت کی دعوت دیتی ہے اس مشترکہ فتح کی نوید دیتی ہے جو ہمارا یقینی مقدر ہے۔

طفیل عباس کے قلم سے

"صبح کی لگن"

"پاکستان کی سیاسی تاریخ، مزدور تحریک کے آئینے میں"

پاکستان مزدور محاذ چنیوٹ
سیاسی اُفق
آل پاکستان واپڈا ملازمین ایکشن کمیٹی کے زیر اہتمام ریلی کا انعقاد
کیا دنیا تبدیل ہو سکتی ہے؟
ہاں
دنیا تبدیل ہو سکتی ہے!
طفیل عباس
ماما سلام کا مشن
ہمارا مشن
منجانب: آل کوئٹہ رکشہ اتحاد یونین
1st
MAY
LABOUR
DAY
2023
MARX
DAY
5 مئی
DAY
زندگی آمیز کتابوں کا اشاعت گھر
+92 300 6602548
+92-0314-3011208
پبلشر: حسین نوید
محاذ
پبلشر
پریس مارکیٹ امین پور بازار فیصل آباد